جلد ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ شمارہ ۲

ماہنامہ

میثاق

لاہور

1966

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر مسئول

اسرار احمد

یکے از مطبوعات

دار الاشاعت الاسلامیہ

بالمقابل ڈاکخانہ - کرشن نگر - لاہور

قیمت فی پرچہ ساٹھ پیسے
سالانہ چھ روپے (پندرہ شلنگ)

قواعد و ضوابط

*

* ''میثاق'' ہر ماہ کی پانچ تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے -

* پرچہ نہ ملنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ بیس تاریخ تک دفتر کو موصول ہوجانی چاہئے - ورنہ دوبارہ پرچہ ارسال نہیں کیا جا سکے گا -

*

* ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے -

* پرچہ صرف بذریعہ وی - پی ارسال ہوگا -

* کمیشن ۲۵ فی صد — محصولڈاک بذمہ میثاق -

*

اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہو رہا ہے — آئندہ کے لئے

* سالانہ زرمبادلہ مبلغ چھ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں —— یا

* اگر آپ کسی وجہ سے خریداری جاری رکھنا نہ چاہیں تو ہمیں مطلع فرماویں ———— ورنہ

* آئندہ شمارہ آپ کو سالانہ زرمبادلہ اور محصولڈاک کی مالیت کا وی - پی ا سال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے -

*

ہندوستانی خریدار

مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جگہ رقوم ارسال کرکے ہمیں مطلع فرماویں :

۱ - دفتر ماہنامہ الفرقان ، کچہری روڈ ، لکھنؤ

۲ - دائرۂ حمیدیہ ، سرائے میر ، اعظم گڑھ

*

ترسیل زر اور جملہ خط کتابت کا پتہ

دارالاشاعت الاسلامیہ

بالمقابل ڈاکخانہ - کرشن نگر - لاہور

وَمَا لَكُمۡ ... وَقَدۡ اَخَذَ مِیۡثَاقَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بابت

ماہِ اگست ۱۹۶۶ء

مطابق

ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

جلد ۱۲

شمارہ ۲

فہرست

تذکرہ وتبصرہ ——— اسرار احمد ۲

تدبر قرآن ———

تفسیر سورۂ آل عمران مولانا امین احسن اصلاحی ۹

افاداتِ فراہیؒ ———

ملکوتِ الٰہی خالد مسعود ۲۹

مقالات ———

زکوٰۃ خالد مسعود ۳۴

"تحریک جماعت اسلامی" (۲) ———

نقضِ غزل اسرار احمد ۳۹

تقریظ وتنقید ———

تبصرۂ محسوحی .... خ۔م ۵۳

محی الدین پرنٹر پبلشر نے نقوش پریس لاہور میں چھپوا کر دار الاشاعت الاسلامیہ

بالمقابل ڈاکخانہ کرشن نگر لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

تذکرہ و تبصرہ

"تحریک جماعتِ اسلامی" پر جن مختلف خیالات کا اظہار مختلف حلقوں کی جانب سے ہوا ہے لاہور کے چار روزناموں میں شائع شدہ تبصرے بہت حد تک ان کی نمائندگی کا حق ادا کر دیتے ہیں۔

چونکہ اس کتاب کی اشاعت سے مقصود نہ صرف یہ تھا کہ بس دل کی بھڑاس نکال لی جائے اور نہ یہ تھا کہ محض وقتی طور پر ذہنی فضا میں ایک ارتعاش پیدا کر دیا جائے بلکہ اس کی اشاعت اس مثبت جذبے کے تحت ہوئی ہے کہ پھر اسی تحریک کا احیاء کیا جائے جس کو لے کر جماعتِ اسلامی اٹھی تھی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا جائے ان کا مفصل جائزہ لیا جائے، جو پہلو کتاب میں غیر واضح رہ گئے ہوں، ان کو واضح کیا جائے، جو غلط فہمیاں پیدا ہوں ان کا ازالہ کیا جائے، جو مفید مشورے ملیں انہیں قبول کیا جائے اور جو مسائل اٹھیں انہیں حل کیا جائے ـــــ آئندہ ان صفحات میں انشاء اللہ اس سلسلے میں مفصل گفتگو ہوگی۔

جن چار روزناموں کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے ان میں سے روزنامہ "وفاق" کا تبصرہ گذشتہ اشاعت میں نقل کیا جا چکا ہے۔ مدیر "وفاق" چونکہ خود ان ہی لوگوں میں سے ہیں جو ۱۹۵۸ء میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے تھے لہٰذا فطری طور پر ان کا تبصرہ اصل کتاب ہی کی صدائے بازگشت ہے ان کا نقطۂ نظر بعینہٖ وہی ہے جو کتاب کے مؤلف کا ہے اور ان کے تبصرے سے کتاب کی مکمل تائید کے علاوہ بس یہ اور معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ان کے بہت سے پرانے زخم ایک دم ہرے ہو گئے ہیں اور ان میں تازہ ٹیسیں اٹھنی شروع ہو گئی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ یہ سوزِ دروں جہاں نالوں اور شکووں کی شکل میں ظہور پذیر ہو وہاں کسی مثبت اور تعمیری کام کا منبع بھی بن جائے

رہا موصوف کا یہ مشورہ کہ کتاب کی تالیف کے بعد کے دس سالوں میں "تحریک جماعتِ اسلامی"

جن مراحل سے گزری ہے اور ع "تا ثریا مے رود دیوار کج" کی عملی تفسیر اس عرصے میں جسطرح منظر عام پر آئی ہے اسے قلمبند کیا جائے تو اس پر عمل اسی اشاعت سے شروع کیا جارہا ہے۔ واللہ الموفق

روزنامہ "امروز" کا تبصرہ ایک غیرجانبدار مبصر کی رائے ہے۔ اور ان حضرات کے ردِّعمل کی نمائندگی کرتا ہے۔ جن کو جماعت اسلامی کی تحریک سے واقفی اور عملی دلچسپی نہ اب ہے اور نہ کبھی پہلے رہی ہے۔ ان کے نزدیک جماعتِ اسلامی بھی ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح بس ایک سیاسی جماعت ہے لہذا فطری بات ہے کہ "امروز" کے تبصرہ نگار نے کتاب کے موضوع سے متعلق بس سرسری سی بحث پر اکتفا کیا ہے کہ:-

"جماعت اسلامی جب تک ایک نظریاتی اور تبلیغی جماعت رہی۔ اس وقت تک صرف نظریاتی بحث کا موضوع رہی مگر جب اس نے تبلیغ و تنظیم کا مرحلہ سر کرنے کے بعد عملی سیاست میں قدم رکھا تو سیاست کے تقاضے اس کے نظریات کے لئے ناقابلِ برداشت ہوئے۔ اس کے متعدد کارکن بلکہ رہنما بھی بدظن ہونے لگے۔ ان میں سے بیشتر نے جماعت سے علیٰحدگی اختیار کر لی۔ ڈاکٹر اسرار احمد بھی ان لوگوں میں شامل ہیں۔"

البتہ مؤلفِ کتاب کے بارے میں جن خیالات کا اظہار انہوں نے فرمایا ہے ان کے لئے ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں:-

"مصنف کے بعض فیصلوں اور کچھ آراء سے اختلاف ہوسکتا ہے مگر وہ اصحاب بھی اس کے خلوص، دردمندی اور دیانت کا اعتراف کریں گے جو زیرِتبصرہ کتاب میں ہدفِ تنقید بنے ہیں ڈاکٹر اسرار احمد نے ذاتی وجوہ کی بنا پر یا بعض مخصوص مصلحتوں کی خاطر جماعتِ اسلامی سے تعلق قطع نہیں کیا۔ ان کا اختلاف نظریاتی اور اصولی ہے اور ان کی یہ تصنیف بھی شاہد ہے کہ ذہنی طور پر وہ اب بھی جماعتِ اسلامی کے قریب ہیں اور اس کے رہنماؤں کا احترام کرتے ہیں مگر جماعتِ اسلامی کی سیاست سے بیزار ہیں۔"

روزنامہ "نوائے وقت" اور معاصر "کوہستان" کے تبصرے اس اعتبار سے بہت اہمیت رکھتے

ہیں کہ ان کے مصنفین جماعتِ اسلامی سے ذہنی اور عملی دلچسپی رکھتے ہیں، اور اگرچہ کتاب پر "جماعتِ اسلامی" کے "سرکاری تبصرے" کا تاحال انتظار ہے تاہم ان دو روزناموں کے تبصروں میں ایک حد تک ان لوگوں کے نقطۂ نظر کی ترجمانی ہو گئی ہے جو جماعت سے وابستگی کے ساتھ ساتھ معتدل ذہن رکھتے ہیں۔ اور جماعت کی پالیسی اور اس کے طریق کار کے بارے میں ٹھنڈے دل کیساتھ سوچ بچار کر سکتے ہیں۔

ان دو تبصروں کے مابین ایک دلچسپ سا فرق اس بنا پر ہے کہ ایک تبصرہ نگار صاحب چونکہ جماعت اسلامی سے رکنیت کا تعلق رکھتے ہیں لہٰذا انہوں نے زیادہ زور کتاب کے اصل موضوع پر گفتگو کے بجائے مؤلف کتاب اور اس کی طرز پر سوچنے والے دوسرے لوگوں پر اس الزام میں صرف کیا ہے کہ اگر وہ جماعت اسلامی کے قدیم طریق کار کو صحیح سمجھتے ہیں تو انہوں نے جماعت سے نکل کر اسی نہج پر عملاً کام شروع کیوں نہ کیا ـــــ! اس کے برعکس چونکہ دوسرے تبصرہ نگار صاحب کا تعلق جماعت سے محض قدیم ذہنی وابستگی کا ہے لہٰذا انہوں نے مندرجہ بالا الزام کے ساتھ ساتھ ایک طرف کتاب کے اصل موضوع پر بھی کھل کر بات کی ہے اور ایک مخصوص نقطۂ نظر سے جماعت اسلامی کی تحریک اور اس کے عملی طریق کار پر ایک جامع تبصرہ کیا ہے ـــــ اور دوسری طرف کتاب کی سنجیدگی اور متانت اور اس کے مؤلف کے خلوص اور دردمندی کا بھی اعتراف کیا ہے۔

دوسری باتوں کو آئندہ پر ملتوی کر کے آج کی نشست میں ہم اس "الزامی جواب" ہی پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جو مذکورہ بالا دونوں تبصروں میں مشترک ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ واقعی ایسا ہے کہ اسے ہر ذی شعور انسان کے ذہن میں لازماً پیدا ہونا چاہیئے آئندہ جب بھی کبھی اس موضوع پر بات ہوگی یہ سوال لازماً اٹھے گا۔ لہٰذا اس کے بارے میں اپنی معروضات ہم ابتدا ہی میں پیش کر دینا چاہتے ہیں۔

اس ضمن میں معاصر "نوائے وقت" کے تبصرہ نگار نے جو انتہائی بات ایک "استفہام استعجابی" کی شکل میں کہی ہے یعنی یہ کہ ـ

"جماعتِ اسلامی کے فکری و تنظیمی اثرات کا یہ پہلو بھی توجہ طلب ہے کہ جو لوگ ایک دور میں

معاشرے میں مستعد ترین کارکن ہوتے ہیں وہ پھر کسی بھی سرگرمی کے روادار کیوں نہیں رہتے ؟"

اس سے جماعت اسلامی سے نکلنے والے لوگوں کے بارے میں ایک عام تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ جماعت سے نکلنے کے بعد بالکل جامد زندگی بسر کرنے لگے اور ان میں سے کسی نے عملاً کسی دینی یا سیاسی و معاشرتی سرگرمی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ ہم ادب کیساتھ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ایک بالکل خلافِ واقعہ بات ہے۔ حقیقت اس کے برعکس یہ ہے کہ جماعت سے نکلنے والے تقریباً تمام ہی نمایاں کارکنوں نے کسی نہ کسی دینی اور سماجی کام میں اپنی صلاحیتوں اور اوقات کو صرف کیا ہے ـــــ اور کسی نہ کسی شکل میں دین اور معاشرے کی خدمت میں حصہ لیا ہے۔

اس سلسلے میں طوالت کے خوف کے باوجود ہم چند مثالیں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ اس عام غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے جو اس سلسلے میں پائی جاتی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ انہوں نے جماعت سے علیحدہ ہونے کے فوراً بعد قرآن مجید کی خدمت کے لئے اپنے سارے فارغ اوقات کو وقف کر دیا انہوں نے ایک جانب اپنے استاذ امام حمید الدین فراہیؒ سے حاصل کردہ علم قرآن ـــــ اور پھر اس پر اپنے زندگی بھر کے مطالعے اور غور و خوض کے نتائج کو مرتب کر کے قلمبند کرنا شروع کر دیا ـــــ اور دوسری طرف چند ذہین اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ اس مقصد کے تحت شروع کیا، کہ ان میں سے کچھ لوگ قرآن حکیم پر محققانہ غور و فکر اور تدبّر کی صلاحیتوں سے آراستہ ہو جائیں تاکہ علوم جدیدہ کی ترتیب نو قرآن حکیم کی رہنمائی میں کر سکیں۔

مولانا عبدالجبار غازی صاحب نے اپنی ضعیف العمری کے باوجود نوجوانوں کے سے جوش اور ولولے کے ساتھ راولپنڈی میں اپنے مخصوص نظریات کے تحت ایک تعلیمی ادارے کی تاسیس کی اور انتھک محنت اور شدید مشقت برداشت کر کے اسے نرسری کی سطح سے اٹھا کر ہائی سکول کے معیار تک پہنچایا۔ مولانا موصوف جس تندہی کے ساتھ اس ادارے کو ارتقاء کے منازل طے کرا رہے ہیں وہ یقیناً بہت سے نوجوانوں کے لئے بھی قابل رشک ہے

حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے بھی اپنے فہم کے مطابق لائل پور میں ایک جامعہ کی بنیاد ڈالی اور اس میں ابتدا ہی سے قدیم اور جدید کو سمو کر یک جان کرنے اور جدید نصاب کے ساتھ ساتھ نئی نسل کو

دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کا ایک تجربہ شروع کیا جو اگرچہ ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں ہے تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک بہت اہم کوشش ہے۔ حکیم صاحب موصوف مقامی طور پر سماجی اور معاشرتی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔

سردار محمد اجمل خانصاحب لغاری نے بھی "ادارہ اجمل باغ" کے نام سے ایک تعلیمی و تربیتی ادارہ قائم کیا جو ایک فرد کی سعی و جد و جہد کے اعتبار سے بہت وقیع اور قابل قدر ہے۔

مرزا مسرت بیگ صاحب جو اگرچہ جماعت سے کچھ عرصہ قبل علیحدہ ہوئے تھے لیکن ان کی وجوہات علیحدگی بھی وہی تھیں جو ان لوگوں کی تھیں جو ۵۶ء کے بحران میں علیحدہ ہوئے۔ انہوں نے ملتان میں جس تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی اور پھر جس محنت اور عرق ریزی سے اسے ایک معیاری درسگاہ کے مقام تک لائے وہ سب کو معلوم ہے۔

خود راقم الحروف نے منٹگمری میں ایک ہاسٹل قائم کیا تھا جس کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ کالجوں میں زیر تعلیم نوجوانوں کو ایک اقامتی ادارے میں رکھ کر ان کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے تاکہ ان میں سے کچھ ذہین طالب علم ایسے پیدا ہو سکیں جو بیک وقت قدیم و جدید علوم سے بہرہ ور ہوں اور دین کی علمی خدمت کے قابل ہو سکیں۔

مولانا عبدالغفار حسن صاحب ابتدا میں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کے شریک کار رہے۔ پھر راقم الحروف کے ہاسٹل سے منسلک رہے اور پھر جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) میں حدیث کے اُستاذ ہو کر چلے گئے۔

مانا کہ یہ ساری کوششیں بالکل ابتدائی بھی ہیں اور ان میں سے اکثر تجرباتی ادوار ہی سے گزر رہی ہیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کی کوششیں بس یونہی آسانی سے ہو جاتی ہیں۔ کسی جماعت اور ادارے کی پشت پناہی کے بغیر محض انفرادی وسائل اور ذاتی ذرائع سے اس طرح کے کام کرنے کا جنہیں کچھ تجربہ ہے وہی جان سکتے ہیں کہ ان میں کتنی کچھ عرق ریزی کرنی پڑتی ہے اور کیسی کچھ محنت و مشقت کا سامنا ہوتا ہے۔

اس ضمن میں اس امر کی جانب اشارہ بھی ضروری ہے کہ جیسا کہ "تحریک جماعت اسلامی" میں واضح طور پر بتایا گیا ہے۔ دورِ اوّل میں جماعت اسلامی سب سے زیادہ زور (EMPHASIS) علمی

انقلاب ہی پر دیتی تھی اور عملی سرگرمیوں میں بھی اس کی توجہات زیادہ تر تعلیمی کوششوں ہی پر مرکوز تھیں لہذا بالکل فطری طور پر وہ لوگ جو آزادی کے بعد کے اختیار کردہ طریق کار کو غلط قرار دے کر جماعت سے علیحدہ ہوئے ان سب کی مساعی خود بخود تعلیمی سرگرمیوں کی جانب منعطف ہو گئیں اور اپنے اپنے وسائل و ذرائع کے مطابق ہر شخص نے تعلیم و تربیت کے کسی کام کا آغاز کر دیا۔

لہذا یہ تاثر بالکل غلط ہے کہ جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والوں نے "علیحدگی" کے بعد "کوئی کام" نہیں کیا۔

البتہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جماعت سے علیحدہ ہونے والے حضرات علیحدگی کے بعد اپنے آپ کو ایک اجتماعی نظم میں منسلک کر کے بالکل جماعت کے دورِ اول کے طرز کی کسی ہمہ گیر تحریک کا اجرا نہیں کر سکے۔ لہذا معاصر "نوائے وقت" کا یہ تبصرہ بھی درست ہے کہ:۔

"تدارک کی ایک مؤثر ترین بلکہ اظہر من الشمس صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان جس بات کو سچ اور درست سمجھے۔ اس کے صرف انفرادی اظہار پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ اپنے ہم رائے و ہم خیال اصحاب سے مل کر اپنے نزدیک سچ اور درست کو بروئے کار بھی لائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والوں نے اپنے اس اقدام کے بارے میں لکھا تو بہت کچھ ہے لیکن اب تک کوئی مثبت اقدام نہیں کیا۔"

اور معاصر کوہستان کی یہ رائے بھی بالکل صحیح ہے کہ:۔

"اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک سوال قاری کے ذہن میں یقیناً بڑی شدت کے ساتھ ابھرتا ہے کہ جماعت اسلامی کے بارے میں جن لوگوں کو یہ شکایت تھی کہ وہ صحیح نہج پر کام نہیں کر رہی ہے اور اسی بنا پر وہ اس سے الگ ہوئے کیا انہوں نے علیحدگی کے بعد سے آج تک تو دس سال کے طویل عرصہ میں اپنے اندازِ فکر کے مطابق کوئی کام بھی کیا کیونکہ جہاں تک تحریک اسلامی کے نصب العین کا تعلق ہے، ان حضرات کو پہلے بھی اس سے اتفاق تھا، اور اسی کی بنا پر یہ اس میں شامل ہوئے تھے اور آج بھی جب یہ کتاب طبع ہو کر سامنے آئی ہے انہوں نے اس نصب العین سے اختلاف نہیں کیا۔ ایسی صورت میں علیحدگی کے بعد بھی اس نصب العین کے لئے اپنے انداز اور طریق کار کے مطابق کام کرنے کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہو جاتے۔"

ہمیں اس کوتاہی اور تقصیر کا صاف اعتراف ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ علیحدہ ہونے والوں پر جماعتِ اسلامی اور اس کے ہم خیال حضرات کا یہ الزام بالکل درست ہے کہ انہیں مجتمع ہو کر اس نہج پر عملی جدوجہد کا آغاز کر دینا چاہیئے تھا۔ جسکو وہ صحیح سمجھتے تھے ـــــ تاہم ـــــ خواہ اسے "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" ہی کا مصداق قرار دیا جائے ـــــ ہم چند معروضات ان حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں جو محض الزام دینے ہی سے دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ ہمدردی کے ساتھ اصل مسئلے کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

اس صورتِ حال کا اصل سبب جماعت اسلامی کا مخصوص تنظیمی ڈھانچہ ہے۔

جماعت کی تنظیم اگرچہ بظاہر "جمہوریت" اور "شورائیت" کی بنیاد پر اٹھائی گئی ہے۔ لیکن واقعۃً اس میں "آزادیٔ رائے" اور اس کے لازمی نتیجے یعنی "اختلاف" کیلئے کوئی واضح اور صحت مند راستے (CHANNELS) موجود نہیں ہیں۔ اسکے باوجود کہ اس وقت جماعتِ اسلامی ملک میں جمہوریت کی سب سے بڑی علمبردار ہے۔ جماعت کا اپنا نظام اس نہج پر بنا ہے کہ اس میں بس ایک ہی رائے کے پھیلنے اور ایک ہی فکر کے پھلنے پھولنے کا امکان ہے۔ کوئی اختلافی رائے اول تو پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر کسی وجہ سے ہو جائے تو اس کے صحت مند ماحول میں نشوونما پا کر پختگی کو پہنچے، اور جماعت پر اثر انداز ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جماعت کی سرکاری پالیسی کے متعلق دو ارکانِ جماعت کی اختلافی گفتگو یہاں ہمیشہ بغاوت کہلائی جاتی رہی ہے اور تخریبی اختلاف تو بہت دور کی بات ہے۔ وہ اختلاف بھی یہاں سخت خطرناک متصور ہوتا رہا ہے۔ جسے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے "رحمت" قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہاں اختلاف جب بھی ہوا اس نے لازماً "ایک دھماکے" (EXPLOSION) ہی کی صورت اختیار کی اور اس سے دوہرا نقصان ہوا۔ نہ تو جماعت کے اندر اختلاف "رحمت" بن سکا کہ اس کے ذریعے ذہنوں میں پختگی اور نظر میں وسعت پیدا ہوتی اور مختلف طرز پر سوچنے والے ذہنوں کے غور و فکر اور سوچ بچار اور ان کے باہمی تقابل اور امتزاج سے بہتر اور پختہ تر آراء وجود میں آتیں، اختلاف کا اصل جوہر جماعت کے حق میں وہ کام کرتا جو کھاد کھیتی کے لئے کرتی ہے اور اس کے مفید اجزا تقابل کی بھٹی میں ایسے ختم ہو جاتے جیسے دھات سے میل کچیل علیحدہ ہو جاتا ہے ـــــ اور

(باقی صفحہ ۵۵ پر)

تدبرِ قرآن

"تفسیر سورۂ آل عمران"

(۸)

آگے کا مضمون، آیات (۸۱ — ۹۱)

اب آگے پہلے ایک جامع میثاق کا حوالہ دیا ہے جو اہلِ کتاب سے انبیاء علیہم السلام خصوصاً آخری نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تائید و حمایت کے لئے لیا گیا تھا اور اہل کتاب نے من حیث الجماعت اس کا اقرار کیا تھا لیکن اب وہ جیسا کہ اوپر تفصیلات گزریں اس کی ذمہ داریوں سے گریز اختیار کر رہے ہیں۔

پھر اہل کتاب سے بانداز تعجب سوال کیا ہے کہ اگر وہ آخری نبی پر ایمان لانے اور اپنے باندھے ہوئے عہد کی ذمہ داریوں سے گریز اختیار کر رہے ہیں تو کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں؟ اللہ کا دین تو اسلام ہے اور یہی دین اس تمام کائنات کا دین ہے اس لئے کہ اس کائنات کی ہر چیز اپنے دائرہ تکوینی میں طوعاً و کرہاً بہر حال اللہ ہی کی اطاعت کرتی ہے۔

اس کے بعد امت مسلمہ کے کلمہ جامعہ کا حوالہ دیا ہے کہ اگر یہ اہلِ کتاب اپنے تعصبات کی جکڑ بند سے آزاد نہیں ہونا چاہتے تو تم ان کو حال پر چھوڑ دو اور یہ اعلان کر دو کہ ہم تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں، ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم خدا ہی کے فرماں بردار ہیں۔

پھر آگے کی آیات میں ان اہل کتاب کے انجام بد کا ذکر فرمایا ہے کہ بھلا یہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بعد کفر کی راہ اختیار کی ہے اور آخری رسول کو پہچاننے کے بعد اس کی تکذیب کی ہے، خدا کی ہدایت سے کس طرح بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔ یہ تو اس کے سزاوار ہیں کہ ان پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام خلق کی لعنت ہو — اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے!

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا ۸۲
وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ
كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ
عِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۠ وَنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي
الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ
وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ
اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ
تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ
كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ ع

ترجمہ:- اور یاد کرو جب کہ خدا نے تم سے نبیوں کے بارے میں میثاق لیا - ہرگاہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت عطا فرمائی ، پھر آئے گا تمہارے پاس ایک رسول سچی ثابت کرتا ہوا ان پیشینگوئیوں کو جو تمہارے پاس موجود ہیں تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا - پوچھا کیا تم نے اس امر کا اقرار کیا اور اس پر میری ڈالی ہوئی ذمہ داری تم نے اٹھائی ، بولے کہ ہم نے اقرار کیا - فرمایا کہ تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں تو جو لوگ اس عہد کے بعد پھر جائیں گے ، وہی لوگ نافرمان ٹھہریں گے - (۸۱-۸۲)

کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں حالانکہ جو آسمان و زمین میں ہیں

طوعاً و کرہاً سب اسی کے فرماں بردار ہیں اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۔ تم کہہ دو کہ ہم تو اللہ پر اور اس چیز پر ایمان لائے جو ہم پر اتاری گئی اور اس چیز پر جو ابراہیم، اسمٰعیل اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور اس چیز پر جو موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی جانب سے دی گئی، ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب بنے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں سے ہوگا ۔ اللہ ان لوگوں کو کس طرح بامراد کریگا جنہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا درآنحالیکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ رسول سچے ہیں اور ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں بھی آچکی ہیں اور اللہ ظالموں کو بامراد نہیں کرے گا ۔ ان لوگوں کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور سارے لوگوں کی لعنت ہوگی ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، نہ ان کو مہلت دی جائے گی ۔ البتہ جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے ۔ جن لوگوں نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد اور اپنے کفر میں بڑھتے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہی لوگ اصلی گمراہ ہیں ۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اسی کفر کی حالت میں مر گئے اگر وہ زمین بھر سونا بھی فدیہ میں دیں تو قبول نہیں کیا جائے گا — ان کے لئے عذاب دردناک ہے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا (۸۳ - ۹۱)

الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ءاقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشٰھدین (۸۱) فمن تولّٰی بعد ذلک اولٰئک ھم الفٰسقون (۸۲)

'میثاق النبیین' میں اضافت فاعل کیطرف نہیں بلکہ مفعول کی طرف ہے ۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ انبیاء سے میثاق لیا گیا بلکہ یہ مطلب ہے کہ انبیاء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا ۔ یہ میثاق جیسا کہ آیت میں ذکر ہے اس بات کیلئے تھا کہ بنی اسرائیل جو کہ کتاب و حکمت کے حامل اور امین بنائے گئے ہیں اس وجہ سے ان کے اس منصب کا فطری تقاضا یہ ہے کہ جو انبیاء آئیں خاص طور پر

آخری نبیؐ جب آئیں تو سب سے آگے بڑھ کر ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں۔ اس عہد کا ذکر قرآن میں مختلف اسلوبوں سے ہوا ہے۔ مثلاً سورہ مائدہ میں ہے:۔

ولقد اخذ الله میثاق بنی اسرائیل	اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، اور
و بعثنا منهم اثنی عشر نقیبا	اٹھائے ہم نے ان میں سے بارہ نقیب اور
و قال الله انی معکم لئن اقمتم الصلوٰة	اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر
و اٰتیتم الزکوٰة و اٰمنتم برسلی	تم نماز کا اہتمام کرتے اور زکوٰة دیتے رہے
و عزرتموهم و اقرضتم الله قرضا حسنا	اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان
لاکفرن عنکم سیاٰتکم و لادخلنکم	کی عزت کی اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہے۔
جنٰت تجری من تحتها الانهار فمن کفر	میں تمہارے گناہ تم سے جھاڑ دوں گا اور
بعد ذٰلک منکم فقد ضل سوآء	تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن
السبیل۔	کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جس نے اس
(۱۲ — مائدہ)	کے بعد تم میں سے کفر کیا تو وہ وسط شاہراہ
	سے بھٹک گیا۔

اس آیت میں رُسل کا لفظ ہے جو عام ہے لیکن ایک دوسری آیت میں نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کی تصریح بھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

فساکتبها للذین یتقون و یؤتون	پس میں اپنی اس رحمت کو ان لوگوں کے لئے
الزکوٰة والذین هم باٰیٰتنا یؤمنون۝	لکھ رکھوں گا جو تقوےٰ اختیار کریں گے زکوٰة
الذین یتبعون الرسول النبی الامی	دیتے رہیں گے اور جو ہماری آیتوں پر ایمان
الذی یجدونه مکتوبا عندهم	لائیں گے۔ یعنی ان لوگوں پر جو اس رسول
فی التوراة والانجیل یامرهم بالمعروف	اور نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے
و یحل لهم الطیبٰت و یحرم علیهم	ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں،
الخبٰئث و یضع عنهم اصرهم	جو انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، ان کے لئے پاکیزہ
والاغلٰل التی کانت علیهم فالذین	چیزوں کو حلال ٹھہراتا ہے، ان پر گندی چیزوں

اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا	کو حرام کرتا ہے اور ان پر سے اس بوجھ اور ان
النور الذی انزل معہ اولٰئک ھم	پابندیوں کو دور کرتا ہے جو ان پر اب تک رہی
المفلحون	ہیں۔ تو جو لوگ اس پر ایمان لائے اس کی توقیر
(۱۵۶۔ ۱۵۷ اعراف)	اور مدد کی اور اس روشنی کی پیروی کی جو اس
	پر اتاری گئی تو یہی فلاح پانے والے ہیں۔"

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ دونوں ہی سے نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی تائید و نصرت کا عہد لیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس عہد کی کوئی پروا نہیں کی۔ اس عہد کے کچھ آثار تورات اور انجیل میں موجود بھی ہیں لیکن اب وہ تحریف کے گرد و غبار سے بہت بڑی حد تک دھندلے ہو چکے ہیں۔ مناسب مواقع پر وہ زیر بحث آئیں گے۔

رسول مصدق لما معکم' سے مراد نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مصدق لما معکم کی وضاحت ہم بقرہ میں کر چکے ہیں۔ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک خاص اہمیت رکھنے والا پہلو یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ کی صفات اور کارناموں سے ان پیشینگوئیوں کا مصداق سامنے آیا تھا جو تورات اور انجیل میں موجود تھیں اور جن کے مصداق کے ظہور کے لئے اہل کتاب منتظر بھی تھے اور ان کو منتظر ہونا چاہیئے بھی تھا۔ اس لئے کہ ان پیشینگوئیوں کی تصدیق سے سب سے پہلے انہی کا سر اونچا ہوتا۔ لفظ تصدیق کے اس مفہوم کے لئے ایک حماسی شاعر کا یہ شعر پیش نظر رکھیئے۔

فدت نفسی ومالکت یمینی فوارس صدقوا فیھم ظنونی

"میری جان اور میرا مال ان شہسواروں پر قربان جنہوں نے اپنے بارے میں میرے سارے گمان سچے ثابت کر دیئے۔"

اس پہلو سے اگر یہود و نصاریٰ غور کرتے تو وہ دیکھتے کہ حضورؐ کی بعثت سے خود ان کی اور ان کی کتابوں کی تصدیق ہو رہی ہے لیکن یہ ان کی شامت تھی کہ جس نے ان کی تصدیق کی اس کو انہوں نے جھٹلایا اور جس کی حجت اور جس کی شہادت کا بار گراں وہ اتنی مدت تک اٹھائے پھرے جب وہ آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کر دی۔

'قال اقررتم واخذتم علی ذلکم اصری' کا ایک خاص موقع و محل ہے جس کو نگاہ میں رکھنا

چاہیئے تب اس ٹکڑے کا زور سمجھ میں آئیگا۔ موسوی شریعت میں یہ قاعدہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کی ہدایات اترتیں تو حضرت موسیٰؑ ان کو انفرادی طور پر اپنے صحابہ کو صرف سنا دینے ہی پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ بنی اسرائیل کی پوری جماعت یا کم از کم ان کے تمام سرداروں کو خیمۂ عبادت میں جمع کرتے تابوت سامنے ہوتا، حضرت موسیٰؑ وعظ و تذکیر کے بعد خداوند خدا کا حکم سناتے پھر سب سے اس کی اطاعت کا اقرار لیتے۔ سب کے اقرار کے بعد لوگوں کو اس کا گواہ رہنے کی تاکید کرتے، اور خدا کو اس پر گواہ ٹھہراتے۔ آخر میں اس حکم کی نافرمانی کے دنیوی و اخروی عواقب و نتائج سے بھی آگاہ فرما دیتے۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ کا ہر امر و نہی اللہ تعالیٰ اور بنی اسرائیل کے درمیان ایک عہد و میثاق کا درجہ حاصل کر لیتا۔ اب یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ جس شریعت کے تحفظ کے لئے یہ جتن کئے گئے اس کے حاملوں نے اس کے ایک ایک عہد کے پرزے اڑا کے رکھ دیئے۔ اس روشنی میں فمن تولیٰ بعد ذالک کے الفاظ پر غور کیجئے تو 'بعد ذالک' کا حقیقی وزن محسوس ہوگا کہ اس کے بعد بھی جو لوگ اس عہد سے منہ موڑیں تو ان سے بڑھ کر عہد شکن کون ہوگا؟ فاسق کا لفظ یہاں عام معنوں میں نہیں ہے بلکہ جس طرح ابلیس کے بارے میں وارد ہے کہ ففسق عن امر ربہ کہ وہ اپنے رب کے حکم سے نکل بھاگا اسی مفہوم میں یہاں بنی اسرائیل کے لئے استعمال ہوا۔

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعًا وکرھًا والیہ یرجعون (۸۳)

اہل کتاب کے اس تمام گریز و فرار پر اب یہ بانداز استعجاب سوال کیا ہے کہ آخر اسلام اور پیغمبر اسلام سے اس سعی فرار کا مقصد کیا ہے؟ کیا اللہ کے دین کے سوا یہ اہل کتاب کسی اور دین کے طلبگار ہیں۔ اللہ کا دین ازل سے اسلام ہے۔ یہی دین اس نے تمام نبیوں اور رسولوں کو دیا اور یہی دین اس پوری کائنات کا دین ہے۔ سورج، چاند، ابر، ہوا اور آسمان و زمین سب اسی دین کے پیرو ہیں۔ اسلام کی حقیقت اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دینا ہے۔ کس کی مجال ہے جو خدا کے حکم اور اس کے قانون سے سرتابی کر سکے۔ جو اپنے محدود دائرہ اختیار میں (اور یہ دائرہ اختیار بھی خدا ہی کا قائم کردہ اور اسی کی مشیت کے تحت ہے) کوئی سرتابی کرتے بھی ہیں تو وہ بھی دائرۂ تکوینی کے اندر خدا کے قوانین کے تحت عاجز و سر فگندہ ہیں۔ کس کی تاب ہے کہ وہ زندگی اور موت کے طبعی قوانین سے بھاگ سکے۔

پس فطرت اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنے محدود دائرہ اختیار میں بھی اسی خالق و مالک کے قوانین کی طوعاً تابعداری کرے جس کے قوانین کی تابعداری اپنے دائرہ تکوینی میں کر رہا ہے۔ اس طرح اس کی زندگی اس پوری کائنات کے ذرہ ذرہ سے ہم آہنگ و ہم رنگ ہو جائیگی۔ اس کے دائرۂ اختیار اور دائرۂ تکوینی دونوں میں کامل موافقت پیدا ہو جائے گی اور انسان خدا کی بخشی ہوئی آزادی کو خدا ہی کی شریعت کے حوالہ کر کے اپنے آپ کو فرشتوں اور نبیوں کی طرح خدا کے رنگ میں رنگ لیگا۔ یہی اسلام ہے۔ یہی صبغۃ اللہ ہے۔ یہی خدا کا دین ہے۔ یہی مذہب آدمؑ، یہی دعوت نوحؑ اور یہی ملت ابراہیم ہے اور اسی کی دعوت لے کر یہ آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آئے ہیں۔ پھر اس دین فطرت اور اس دین کائنات کو چھوڑ کر یہ اہل کتاب ـــــ اہل کتاب ہو کر ـــــ کس دین کے طلبگار ہیں!

'والیہ یرجعون' میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اس زندگی میں خدا کے قانون سے فرار کی کوئی راہ نہیں ہے اسی طرح آگے بھی راہ رُندھی ہوئی ہے جو مر کے اس سے چھوٹتا ہے وہ بھی چھوٹتا نہیں بلکہ وہ بھی خدا ہی کے پاس جاتا ہے اور اپنے آپ کو اسی کے حوالہ کرتا ہے۔

قل آمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسٰی و عیسٰی والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن لہ مسلمون (۸۵)

یہ آیت بعینہٖ سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکی ہے۔ وہاں اس کے تمام الفاظ اور مطالب پر بحث ہو چکی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ۱۳۶ بقرہ۔ یہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اسلام کے کلمہ جامعہ کا اعلان کرایا گیا ہے اور سیاق کلام یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اگر اسلام کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں تو انہیں ان کی خواہش کے حوالہ کرو۔ شیطان جس وادی میں چاہے ان کو ٹھوکر کھلائے۔ تم ان کے پیچھے اپنی اوقات رائیگاں نہ کرو بلکہ اعلان کر دو کہ ہم تو اللہ اور اس کے اس دین پر ایمان لائے جو تمام انبیاء کا دین ہے۔ ہم ان انبیاء میں کوئی تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں، کسی کو نہ مانیں۔ ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم خدا ہی کے فرمانبردار ہیں اور اپنے آپ کو اسی کے حوالہ کرتے ہیں۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین (۸۵)

اسلام کے حق میں دلائل واضح کر دینے کے بعد اب یہ صاف الفاظ میں اعلان فرما دیا کہ جو لوگ

اسلام کے سوا کسی اور دین کے طالب نہیں گے یا اس پر جمے رہیں گے، عام اس سے کہ وہ یہودیت ہو یا نصرانیت یا کوئی اور دین، وہ اللہ کے ہاں قبول نہ ہوگا۔ ایسے لوگ آخرت میں محروم و نامراد ہونگے۔

کیف یھدی اللہ قومًا کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق و جاءھم البینت واللہ لا یھدی القوم الظلمین (۸۶) اولئک جزاؤھم ان علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین (۸۷) خلدین فیھا، لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون (۸۸) الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم (۸۹)

لفظ 'ہدایت' پر ہم بقرہ میں بحث کر چکے ہیں کہ اس کے تین مرحلے ہیں۔ آخری مرحلہ اس کا ہدایت آخرت کا ہے۔ اس مرحلہ میں غایت و مقصود کی طرف ہدایت ہوتی ہے اور بندہ اپنی مساعی کے ثمرہ سے بہرہ مند اور اپنی جدوجہد زندگی کے حاصل سے بامراد ہوتا ہے۔ ہدایت کا لفظ اس معنی میں بھی قرآن میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ مجھے بار بار خیال ہوتا ہے کہ 'یھدی' اس آیت میں اسی معنی میں ہے۔ استاذ مرحوم اس سے ہدایت کا عام مفہوم ہی مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہاں بنی اسرائیل کے لئے جس ہدایت کی نفی ہے وہ من حیث القوم ہے، من حیث الافراد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو قوم ایسے شدید جرائم کی مرتکب ہوئی ہے اس کے لئے اسلام کی راہ کس طرح کھل سکتی ہے!

'شھدوا' میں شہادت سے مراد دل کی شہادت ہے کہ ان اہل کتاب کے دل مانتے ہیں کہ یہ رسول سچے ہیں۔ ان کی وہ نشانیاں جو ان پر ظاہر ہوئی ہیں وہ اس قدر واضح ہیں کہ ان کی صداقت پر ان کے دل گواہی دیتے ہیں لیکن محض عناد، تعصب اور حسد کے سبب سے اس کو جھٹلاتے ہیں۔

یہ اوپر والی آیت کی توجیہہ بیان ہوئی ہے کہ آخرت میں ان کے نامراد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کس طرح بامراد کر سکتا ہے، جنہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہے، جنکے پاس اس رسول کی صداقت کی کھلی ہوئی نشانیاں آ چکی ہیں لیکن وہ ان کی تکذیب کرتے ہیں، جن کے دل گواہی دیتے ہیں کہ یہ رسول برحق ہیں لیکن پھر بھی ان کی زبانیں اس کو جھٹلاتی ہیں۔ ایسے لوگ اپنی فطرت، اپنی عقل اور اپنی روح پر بہت بڑا ظلم ڈھانے والے ہیں اور یہ سنت الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بامراد نہیں کرتا جو خود اپنے ہاتھوں اپنے نشانات راہ گم کریں اور اپنے آپ کو ٹھوکر

کھلائیں۔ ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور ساری خلق کی لعنت ہو۔ 'الناس' کے ساتھ 'اجمعین' کی تاکید اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ قیامت کے دن ان پر نیک اور بد سب ہی لعنت کریں گے۔ نیکوں کی لعنت کی وجہ تو واضح ہے بد اس لئے لعنت کریں گے کہ وہ ان کے سبب سے گمراہ ہوئے ــــ چنانچہ قرآن میں تصریح ہے کہ قیامت کے دن گمراہ لیڈر اور ان کے گمراہ پیرو دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ پیرو کہیں گے کہ تم نے ہمیں برباد کیا، اگر تم ہماری راہ نہ مارتے تو ہم ہدایت پر ہوتے۔ لیڈر کہیں گے ہم جیسے تھے ویسا ہی ہم نے تم کو بنایا، تم خود شامت زدہ تھے کہ تم نے ہدایت کی راہ اختیار نہ کی۔

'خالدین فیھا' میں ضمیر کا مرجع دوزخ ہے۔ اگرچہ دوزخ کا ذکر الفاظ میں موجود نہیں ہے لیکن اوپر جس لعنت کا ذکر ہے اس نے اس کا ایسا واضح قرینہ بہم پہنچا دیا ہے کہ لفظوں میں اس کے ذکر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ گویا لعنت خود عذاب کی قائم مقام بن گئی۔ زبان میں اس اسلوب کی مثالیں بہت ہیں۔ سورہ حدید کی تفسیر میں ہم اس اسلوب پر بحث کریں گے۔ اس عذاب کی نسبت فرمایا کہ نہ اس میں کسی مرحلے میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ اس سے ان کو کبھی مہلت ملیگی۔ اس میں پڑ جانے کے بعد ان کے لئے امید کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے البتہ وہ لوگ اس عذاب سے بچ جائیں گے جو ان تنبیہات کے بعد توبہ کر کے اپنے حالات کی اصلاح کریں گے اور جن حق پوشیوں کے اب تک مجرم ہوئے ہیں ان کا برملا اظہار و اعلان کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

إن الذين كفروا بعد إيمانهم ثم ازدادوا كفرا لن تقبل توبتهم وأولئك هم الضالون (۹۰) إن الذين كفروا وماتوا وهم كفار فلن يقبل من أحدهم ملء الأرض ذهبا ولو افتدى به أولئك لهم عذاب أليم وما لهم من ناصرين (۹۱)

یہ ان لوگوں کا بیان ہے جن کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ان تمام جرائم کا ارتکاب کر کے جن کا ذکر اوپر ہوا، ایمان کے بعد کفر میں مبتلا ہوئے۔ پھر اس کفر پر رد کے بعد رد چڑھاتے چلے گئے۔ جب وقت آخر آیا تو زبان سے توبہ توبہ کر لی، نہ اپنے جرائم کی اصلاح کی، نہ اپنی حق پوشیوں کا پیغمبر اور اہل ایمان کے سامنے اظہار و اعتراف کیا، نہ اللہ کی راہ میں انفاق اور پیغمبر کی حمایت و نصرت

سے اپنے گناہ دھونے کی کوشش کی - بلکہ جیسا کہ قرآن میں اشارہ ہے اس غلط آرزو میں مر گئے کہ 'سیغفر لنا' اللہ ہماری ساری غلطیوں کو معاف فرما دیگا - قرآن نے یہاں واضح فرما دیا کہ جو لوگ اس قسم کی طمع خام میں مبتلا ہیں، نہ ان کی یہ توبہ توبہ ہے، نہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ کو پذیرائی بخشے گا۔

اسی طرح کا معاملہ ان لوگوں کا ہے جو ایمان کے بعد کفر میں مبتلا ہوتے اور اسی حالت کفر میں مر گئے - فرمایا کہ اگر اس طرح کے لوگ زمین برابر سونا بھی اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے فدیہ میں دیں تو بھی قبول نہیں ہوگا - یہ اسلوب بیان محض ان کی نجات کے عدم امکان کی تعبیر کے لئے اختیار کیا گیا - ورنہ آخرت میں نہ کسی کے پاس فدیہ میں دینے کے لئے کچھ ہوگا، نہ آخرت اس قسم کے لین دین کی کوئی جگہ ہے - 'وَمالھم من ناصرین' میں ان لوگوں کی اس طمع خام کی نفی ہے جو یہ اپنے بزرگ اسلاف کی شفاعت کی رکھتے تھے - فرمایا کہ آخرت میں ان لوگوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

یہ مضمون سورہ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے - وہاں ہم نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے - آیت ہم یہاں بھی نقل کئے دیتے ہیں تاکہ زیر بحث آیت کے بعض مضمرات روشنی میں آ جائیں - فرمایا ہے -

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینت والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتب اولئک یلعنہم اللہ ویلعنہم اللعنون ہ الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا فاولئک اتوب علیہم وانا التواب الرحیم ہ ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولئک علیہم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین ہ خالدین فیھا لا یخفف عنہم العذاب ولا ھم ینظرون ہ

بقرہ ۱۵۹ — ۱۶۲

بے شک جو لوگ ان واضح آیات اور اس ہدایت کو چھپاتے ہیں جو ہم نے اتاری ہے بعد اس کے کہ ہم نے اس کو اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے اچھی طرح واضح کر دیا ہے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے بھی لعنت کرینگے - البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کریں اور کھول دیں چھپائی ہوئی باتوں کو - یہی لوگ ہیں جن کی توبہ میں قبول کروں گا اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں - بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور اسی حالت کفر میں مر گئے ان پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور سارے لوگوں کی لعنت ہے

اس میں ہمیشہ رہیں گے، زان کا عذاب ہلکا کیا
جائیگا اور نہ ان کو مہلت دی جائیگی۔

آگے کا مضمون۔ آیات ۹۲—۹۹

اوپر کا مضمون اگر ذہن میں موجود ہے تو آگے کا سلسلہ بیان سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ اوپر آیت ۶۴ سے یہ بحث شروع ہوئی تھی کہ یہود اور نصاریٰ ملت ابراہیمؑ پر ہونے کا جو دعویٰ کرتے ہیں محض بے بنیاد دعوے ہے۔ ملت ابراہیمؑ پر یہ پیغمبرؑ اور ان کے ساتھی ہیں لیکن یہ یہود و نصاریٰ طرح طرح کی سازشوں اور تحریفوں سے اصل حقائق پر پردہ ڈالنا اور خلق کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں کہ قربانی کوئی نہ دینی پڑے بس دینداری کی چند جھوٹی سچی رسمیں ادا کر کے خدا کی وفاداری کے سبب سے اونچے مقام کے حقدار سمجھے جاتے رہیں۔

یہاں سب سے پہلے تو یہ مغالطہ دور فرمایا کہ خدا کی وفاداری کا مقام محض جھوٹی رسم داری اور نمائشی دینداری سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے اصل شے یہ ہے کہ خدا کی راہ میں ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔ جب تک انسان خدا کے لئے اپنی محبوبات کی قربانی کا عادی نہیں ہوتا اس وقت تک اس میں خدا کے عہد و پیمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کا حوصلہ پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد ضمنی طور پر یہود کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جو انہوں نے مسلمانوں کو ملت ابراہیمؑ کے خلاف ثابت کرنے کے لئے اٹھایا تھا۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کے ہاں کھانے پینے کی بعض ایسی چیزیں جائز ہیں جو یہود کے زعم کے مطابق ابراہیمی شریعت میں حرام تھیں۔ مثلاً اونٹ کی نسبت ان کا دعوے تھا کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت میں حرام ہے لیکن مسلمانوں کے ہاں نہ صرف یہ کہ حلال طیب ہے بلکہ ان کے ہاں یہ محبوب ترین مال ہے اور وہ اس کے نحر اور قربانی کو بڑے ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ اس پروپیگنڈے سے ان کا مقصد، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے محض عوام کو یہ باور کرانا تھا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی ملت ابراہیمؑ سے برگشتہ ہیں۔ قرآن نے اس کا جواب دے دیا کہ یہ بات محض یہود کا افترا ہے۔ تورات خود اس بات پر شاہد ہے کہ اونٹ کی حرمت کا تعلق اگر ہے تو شریعت موسوی سے ہے نہ کہ شریعت ابراہیمی سے۔

اس ضمنی اعتراض کا جواب دینے کے بعد ان کو پھر ملت ابراہیمی کی پیروی کی دعوت دی ہے اور ان پیشینگوئیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو تورات میں خانہ کعبہ کی اولیت، اس کی مرکزیت اور اس کے سرچشمۂ برکت وہدایت ہونے کے باب میں وارد تھیں لیکن ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی، نیز ان نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو صاف شہادت دیتی ہیں کہ اسی سرزمین کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنا مسکن بنایا، اسی کو دارالامن قرار دیا، اسی کو حج وعبادت کا مرکز ٹھہرایا اور ہزاروں سال سے ان کی ذریت اس سرزمین پر ان کے نام اور ان کی روایات کی حامل چلی آ رہی ہے۔

آخر کی دو آیتوں میں اہل کتاب کو ملامت کی ہے کہ جس راہ کی نشان دہی کے لئے تم خدا کی طرف سے مقرر کئے گئے تھے یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ تم اس سے لوگوں کو روکنے اور اس کو گم کرنے کے لئے اپنی کوششیں صرف کر رہے ہو۔ اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔ ارشاد ہوتا ہے

آیات ۹۲ — ۹۹

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۥ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ
اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝۹۲ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ
اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ
فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۹۳ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ
اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝۹۵ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ
لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۹۶ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ
مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝۹۷
قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا
تَعْمَلُوْنَ ۝۹۸ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ
تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۹

ترجمہ: تم خدا کی وفاداری کا درجہ ہرگز نہیں حاصل کر سکتے جب تک ان چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو اور جو کوئی چیز بھی تم خرچ کرو گے تو اللہ اس سے باخبر ہے (۹۲)

کھانے کی ساری چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں، مگر وہ جو اسرائیل نے تورات کے نازل کئے جانے سے پہلے اپنے اوپر حرام ٹھہرالی تھیں۔ کہدو لاؤ تورات اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو جو لوگ اس کے بعد بھی اللہ پر جھوٹ باندھیں وہی لوگ ظالم ہیں۔ (۹۳ — ۹۴)

کہہ دو اللہ نے سچ فرمایا تو ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو حنیف تھا اور مشرکین میں سے نہ تھا۔ بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ عالم والوں کے لئے برکت اور ہدایت کا مرکز۔ وہاں واضح نشانیاں ہیں مسکن ابراہیم ہے جو اس میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے اور جو لوگ وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہیں ان کے اوپر اس گھر کا حج ہے اور جس نے کفر کیا تو اللہ عالم والوں سے بے پروا ہے۔ (۹۵ — ۹۷)

پوچھو اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو۔ درآنحالیکہ جو کچھ تم کر رہے ہو سب خدا کی نظر میں ہے؛ کہو، اے اہل کتاب تم ایمان لانے والوں کو اللہ کی راہ سے کیوں روک رہے ہو، تم اس میں کجی پیدا کرنی چاہتے ہو حالانکہ تم گواہ بنائے گئے ہو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ (۹۸ - ۹۹)

الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون ۵ وما تنفقوا من شیٔ فان اللہ بہ علیم (۹۲)

خدا کی وفاداری کی شرط — محبوب مال کا انفاق

لفظ 'بر' کی تحقیق سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اس لفظ کی اصل روح ایفائے عہد اور ادائے حقوق و فرائض ہے عام اس سے کہ یہ خدا کے حقوق و فرائض ہوں یا اس کے بندوں کے۔ بنی اسرائیل ایفائے عہد اور ادائے حقوق کے معاملے میں تو بالکل صفر تھے لیکن محض چند رسوم کی ظاہردارانہ پیروی کر کے یہ سمجھتے تھے کہ خدا کی وفاداری میں جو مرتبہ و مقام ان کا ہے وہ کسی کا نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے چنانچہ اسی زعم میں وہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے تمام انبیاء کی وراثت کا تنہا اجارہ دار سمجھتے تھے اور یہ سوچنے کے لئے بھی تیار نہ تھے کہ کوئی اس میدان میں ان کا حریف ہو سکتا ہے۔ قرآن نے یہاں ان کے اسی زعم باطل پر ضرب لگائی ہے کہ خدا کی وفاداری کا مقام مجرد خالی خولی دعووں اور چند رسموں کے ادا کر دینے سے نہیں حاصل ہو جاتا بلکہ اس کے لئے قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک تم خدا کی راہ

میں اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو اس وقت تک تمہارا یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔

محبت اور وفاداری کی جانچ کے لئے یہ کسوٹی ایک ایسی کسوٹی ہے جو فی الحقیقت بنی اسرائیل کا سارا بھرم کھول دینے کے لئے کافی تھی اس لئے کہ دینداری کی بے خرچ ظاہرداریاں تو وہ کسی نہ کسی حد تک نباہنے کی کوشش کرتے تھے لیکن جہاں معاملہ خرچ کرنے کا پیش آجائے اور وہ بھی محبوب مال کے خرچ کرنے کا تو پھر ان کا سارا دعوائے عشق و محبت ہرن ہو کے رہ جاتا ہے۔ حالانکہ جن حضرت ابراہیمؑ کی پیروی اور جن کی وراثت و نیابت کے وہ تنہا اجارہ دار بنے بیٹھے تھے ان کے متعلق جانتے تھے کہ ان کو خدا کی وفاداری کا جو مقام حاصل ہوا محض زبانی جمع خرچ سے نہیں حاصل ہوا بلکہ اپنے محبوب اکلوتے بیٹے کی قربانی سے حاصل ہوا۔

قرآن نے یہود کی اس رسمی دینداری پر جگہ جگہ تعریض کی ہے مثلاً فرمایا ہے۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر و الملٰئکۃ والکتاب والنبیین و اٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عٰھدوا والصابرین فی الباساء والضرّاء وحین الباس ط اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون ○

(۱۷۷۔ بقرہ)

خدا کی وفاداری کا حق اس سے ادا نہیں ہو جاتا کہ اپنا رخ مشرق اور مغرب کی طرف کر دو بلکہ اصل وفاداری تو ان کی ہے جو اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے مال اس کے محبوب ہونے کے باوجود دیتے ہیں قرابت مندوں کو یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافر کو، سائلوں کو نیز اس کو خرچ کرتے ہیں گردنوں کو آزاد کرانے میں اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور جب عہد کر بیٹھیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں اور خاص کر وہ لوگ جو بھوک اور بیماری میں اور جنگ کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہوں یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

وما تنفقوا من شیء الایہ (اور جو کوئی چیز بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ اس سے باخبر ہے) سے مقصود اس کا لازم ہے۔ یعنی خدا جب تمہارے خرچ کئے ہوئے پیسے پیسے سے باخبر ہے تو اطمینان رکھو،

کوئی حبہ ضائع جانے والا نہیں ہے۔ ایک خرچ کرو گے تو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک پاؤ گے اور اللہ کا فضل مزید برآں ہے جس کی کوئی حد و نہایت ہی نہیں۔

یہود کے ایک اعتراض کا جواب

کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل الا ما حرم اسرائیل علی نفسہ من قبل ان تنزل التوراۃ قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین (۹۳) فمن افتری علی اللہ الکذب من بعد ذلک فاولئک ھم الظالمون (۹۴) یہ یہود کے اس اعتراض کا ضمنی جواب ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ یہود مدعی تھے کہ اصل ملت ابراہیم پر وہ ہیں نہ کہ مسلمان۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں جو باتیں وہ کہتے تھے ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ مسلمانوں نے جو چیزیں جائز کر رکھی ہیں ان میں سے بعض چیزیں ملت ابراہیم میں حرام تھیں لیکن مسلمان نہ صرف یہ کہ ان کو جائز رکھتے ہیں بلکہ ان کے بر و تقویٰ اور ان کے انفاق و قربانی کا انحصار انہی چیزوں پر ہے۔ ان کا اشارہ اونٹ کے ذبیحہ اور اس کی قربانی کی طرف ہوگا اس لئے کہ اونٹ عرب کے محبوب ترین اموال میں سے تھا، اور یہود کی شریعت میں، جیسا کہ احبار میں وارد ہے، وہ حرام ہے۔

قرآن نے یہاں مناسب موقع پر ان کے اس غلط خیال کی تردید کر دی۔ فرمایا کہ جو چیزیں طیبات میں داخل اور کھانے پینے کی ہیں وہ سب ابتداءً بنی اسرائیل کے ہاں بھی حلال تھیں۔ ازاں جملہ اونٹ بھی ہے۔ البتہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے یعقوب نے بعض چیزیں اپنے اوپر حرام ٹھہرا لی تھیں۔ چنانچہ تورات میں دیکھ لو کہ اونٹ یا بعض دوسری چیزیں جن کو تم حرام قرار دیتے ہو ان کی حرمت کا کوئی ذکر عہد ابراہیمی میں نہیں ملتا۔ اگر ملتا ہے تو تورات میں ملتا ہے۔

یہود کی حرام کردہ طیبات تین قسم کی ہیں

تورات میں ملت ابراہیمی کے خلاف جن طیبات کو حرام ٹھہرایا گیا ہے وہ تین قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو محض یہود کے فقہا کی تحلیل و تحریم اور ان کی موشگافیوں کی پیدا کردہ ہیں۔ انہوں نے اپنے فتوے کے تحت کسی چیز کو حرام ٹھہرایا اور بعد میں ان کا یہی فتوےٰ تورات میں شامل ہو کر اس کا ایک جزو بن گیا اور اس طرح فقیہوں کے ایک فتوے نے کتاب الٰہی کی حیثیت حاصل کر لی۔ تورات میں اس قسم کے جو گھپلے ہوئے ہیں ان پر یہاں بحث کا موقع نہیں ہے، ان کا تعلق تورات کی تاریخ سے ہے اور یہ ایک الگ موضوع ہے۔

دوسری وہ ہیں جو یہود کی سرکشی، ان کی کٹ حجتی اور ان کی سوال بازی کے سبب سے حرام ہوئیں۔

انہوں نے کسی چیز کے متعین کرانے میں اتنے سوالات اٹھائے کہ ان کے لئے جواز کی راہ تنگ سے تنگ ہوتی چلی گئی اور اچھی بھلی طیب و طاہر چیزیں بھی ان کے لئے حرام ہو کر رہ گئیں۔

تیسری وہ ہیں جن سے احتراز و اجتناب کا تصور ان کے ہاں بزرگوں سے چلا آ رہا تھا۔ مثلاً بعض چیزیں حضرت یعقوبؑ کسی احتیاط یا محض طبعی و ذوقی عدم مناسبت کی بنا پر نہیں استعمال کرتے تھے۔ یہود نے اس طرح کی چیزوں کا سرا حضرت ابراہیم سے ملا دیا اور ان کی حرمت بھی تورات کی محرمات کی فہرست میں شامل ہو گئی۔

یہی وہ حرمتیں ہیں جن کو قرآن میں "اصر و اغلال" سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہود کے صحیفوں میں ملت ابراہیمؑ پر مبعوث ہونے والے پیغمبرؐ کے بارے میں یہ پیشینگوئی موجود تھی کہ جب وہ آئیں گے تو یہود کے لئے تمام طیبات کو حلال کریں گے اور جو طوق و سلاسل انہوں نے اپنے اوپر لاد رکھے ہیں ان سے ان کو نجات دیں گے۔ اس مسئلہ پر ہم سورہ انعام کی تفسیر میں تفصیل سے بحث کرنے والے ہیں اس وجہ سے یہاں ان مختصر اشارات پر کفایت کرتے ہیں۔

'فمن افتریٰ الایۃ' یعنی جو لوگ اس وضاحت کے بعد بھی اس بات پر اڑے رہیں کہ جن چیزوں کو انہوں نے حرام ٹھہرا رکھا ہے وہ ملت ابراہیم میں بھی حرام تھیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے تو یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھیں ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے!

قل صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین (۹۵)

فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو یہ تو محض اللہ پر جھوٹا بہتان ہے البتہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے یہ سچ ہے۔ تو اپنی بدعات کو ملت ابراہیمؑ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اس ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرو جس کی دعوت میں دے رہا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام اسلام کی راہ پر بالکل یکسو تھے، نہ انہوں نے اس راہ سے دوسری پگڈنڈیاں نکالیں اور نہ وہ مشرکین میں سے تھے۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعلمین (۹۶) فیہ اٰیات بینات مقام ابراھیم ومن دخلہ کان اٰمنا وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین ۝ (۹۷)

'بکہ' سے مراد مکہ[1] ہے - قدیم صحیفوں میں اس کا یہی نام آیا ہے - لغوی معنی اس کے شہر کے ہیں مثلاً بعلبک (بعل کا شہر) یہود نے آخری بعثت کے نشانات گم کرنے کیلئے قرآت کے توڑ مروڑ یا بالفاظ قرآن "لیّاً بألسنتهم" کے ذریعہ سے جو تحریفیں کی ہیں، ان کی ایک مثال یہ لفظ بھی ہے اس کو یہود نے بگاڑ کر 'بکہ' کے بجائے بکا بنایا اور اس کو مصدر قرار دیکر ترجمہ اس کا رونا کر دیا اور اس طرح 'وادیٔ بکہ' کو رونے کی وادی میں تبدیل کر کے اس سب سے بڑے نشان کو گم کر دیا، جس سے خلق کو آخری نبی کے بارے میں رہنمائی مل سکتی تھی۔ اس آیت میں قرآن نے مکہ کو بکہ کے نام سے ذکر کر کے مکہ کے اس قدیم نام کی یاد دلائی ہے جو تورات کے صحیفوں میں تھا- بلکہ بعض صحیفوں میں اب بھی ہے مثلاً زبور میں -

اس آیت میں ان چیزوں کی طرف اشارہ ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی عبادت کا وہ گھر جو حضرت ابراہیم نے تعمیر فرمایا یہی مکہ کا بیت اللہ ہے . اسی گھر کو حضرت ابراہیمؑ نے ملت ابراہیمؑ کا مرکز بنایا اور اسی گھر سے ان کی مشہور دعا ربنا وابعث فیھم الایہ کے بموجب اس پیغمبر کی دعوت بلند ہوئی، جو امیوں میں پیدا ہونے والے تھے اور جن کی دعوت سے ساری دنیا کو فیض پہنچنے والا تھا - "مبارکاً وھدًی للعالمین" میں اس بات کا اشارہ موجود ہے -

یہ بات محتاج ثبوت نہیں ہے کہ تورات میں حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں جس بیت ایل (بیت اللہ) کی تعمیر کا ذکر ہے اس کا مصداق اگر کوئی ہو سکتا ہے تو مکہ کا بیت اللہ ہی ہو سکتا ہے نہ کہ بیت المقدس- اس لئے کہ بیت المقدس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ کے سینکڑوں سال بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے ہاتھوں ہوئی ہے - یہ اس بات کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ یہی گھر ملت ابراہیمؑ کی برکتوں کا مظہر ہو سکتا ہے نہ کہ بیت المقدس -

فیہ آیات بینات ، یعنی اس میں نہایت واضح نشانیاں اس بات کی موجود ہیں کہ یہی گھر حضرت

---

[1] مولانا فراہیؒ نے اپنی کتاب مفردات القرآن میں لفظ مکہ پر لکھا ہے . "لوگوں نے اس لفظ کے اشتقاق کے بارے میں اختلاف کیا ہے لیکن اس امر میں شبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ بکہ کی بدلی ہوئی صورت ہے چنانچہ یہ لفظ خود قرآن میں آیا ہے - جس وقت حضرت اسمٰعیلؑ اس وادی میں آباد کیے گئے ہیں اس وادی کا یہی نام تھا- اس کے معنی آبادی کے ہیں جیسا کہ لفظ بعلبک سے اس کی شہادت ملتی ہے - . . . . چونکہ حضرت ابراہیمؑ بابل سے تشریف لائے تھے اس وجہ سے انہوں نے مکہ کے نام کے لئے اپنی زبان کا لفظ پسند فرمایا ."

ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہے۔ ان نشانیوں کو اگرچہ یہود نے مٹانے کی کوشش کی لیکن تورات میں آج بھی ایسے ناقابلِ تردید شواہد موجود ہیں جو یہود کی تمام تحریفات کا پردہ چاک کر کے اصل حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتے ہیں۔ ہم نے سورہ بقرہ کی تفسیر میں قبلہ کی بحث میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جو لوگ تفصیل کے طالب ہوں، اس بحث کو پڑھیں۔ یہاں اس کے دہرانے میں طوالت ہو گی۔

نشانیوں کا بالاجمال ذکر کرنے کے بعد جس طرح عام کے بعد خاص کا ذکر ہوتا ہے تین چیزوں کیطرف خاص طور پر اشارہ فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ یہ مقام ابراہیم ہے، دوسری یہ کہ جو اس حرم میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہو جاتا ہے۔ تیسری یہ کہ تمام اہلِ استطاعت پر اس گھر کا حج فرض ہے۔

اگرچہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ان ساری چیزوں پر ہم بحث کر چکے ہیں لیکن بالاجمال ہم یہاں بھی ان تینوں چیزوں کے ان پہلوؤں کیطرف اشارہ کئے دیتے ہیں جن سے اس امر کا ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ درحقیقت یہی گھر حضرت ابراہیمؑ کا تعمیر کردہ ہے اور یہی ملتِ ابراہیمؑ کا مرکز ہے۔

مقام ابراہیم

مقام ابراہیم سے مراد، جیسا کہ ہم نے تفسیر سورہ بقرہ میں بدلائل واضح کیا ہے، یہ ہے کہ اسی مقام کو حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کے بعد اپنے قیام کے لئے منتخب فرمایا، یہیں مروہ کے پاس اپنے اکلوتے فرزند کی قربانی کی، یہیں ان کو بیت اللہ کی خدمت اور نماز کے اہتمام کے لئے بسایا اور یہیں ان سے نسبت رکھنے والی ایک پوری قوم صدیوں سے آباد ہے۔ یہ ساری باتیں خود تورات کے دلائل سے اس قدر قطعیت کیساتھ ثابت ہیں کہ کوئی صاحبِ انصاف ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

امن کا گھر

"ومن دخلہ کان اٰمنا" سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس سرزمین میں اپنی اولاد کو بساتے ہوئے اس کے لئے امن کی جو دعا کی تھی یہ سرزمین اور یہ گھر اس دعا کی مقبولیت کا مظہر ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا قرآن میں یوں نقل ہوئی ہے۔

واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا	اور جب کہ ابراہیم نے دعا کی اے میرے پروردگار
البلد اٰمنا واجنبنی وبنی ان نعبد	اس سرزمین کو امن کی سرزمین بنا اور مجھے اور
الاصنام ۳۵ — ابراہیم	میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے محفوظ رکھ"

یہ اسی دعا کی برکت سے کہ اس شہر حرم کی سنت قائم ہوئی اور اس گھر کے جوار میں آدمی تو درکنار کسی جانور کو بھی ایذا پہنچانا جرم ٹھہرا۔

و للہ علی الناس حج البیت الآیہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس سرزمین اور اس گھر کے لئے مرجعیت کی جو دعا کی تھی اس کی مقبولیت بھی اس کے چپے چپے سے نمایاں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا ذکر قرآن میں یوں ہے۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون ۔ ۳۷ — ابراہیم	اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو (اسمٰعیل کو) ایک بن کھیتی کی سرزمین میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے اے ہمارے رب تاکہ یہ نماز قائم کریں تو تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں کی روزی دے کہ یہ تیری شکر گزاری کریں۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت اس گھر کے لئے اعلان حج کی ملی تھی اس کی سنت بھی ان کے عہد سے لے کر آج تک چلی آ رہی ہے۔

واذ بوانا لابراھیم مکان البیت ان لا تشرک بی شیئاً وطھر بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق ۲۶ - ۲۷ حج	اور یاد کرو جب ہم نے ابراہیمؑ کو بیت اللہ کے پاس اس ہدایت کے ساتھ بسایا کہ میرا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیو اور میرے گھر کو طواف، قیام اور رکوع و سجدہ کرنیوالوں کے لئے پاک رکھیو اور لوگوں میں حج کی منادی کر دو، لوگ تمہارے پاس پیادہ اور لاغر اونٹنیوں پر تمام گہرے راستوں سے آئیں گے۔"

ان تمام نشانیوں کے حوالے دینے سے مقصود، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، اہل کتاب پر یہ ثابت کرنا ہے کہ دنیا میں اگر کوئی گھر حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا اور ان کی ملت اور ان کی دعوت کا مرکز ہو سکتا ہے تو یہی مکہ کا بیت اللہ ہو سکتا ہے۔ اہل کتاب کی تمام تحریفی کوششوں کے باوجود آج بھی یہود کے صحیفوں میں ایسے اشارات و قرائن موجود ہیں جو اصل حقیقت کو کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ ان اشارات کی تفصیل

کے لئے ہماری سورہ بقرہ کی تفسیر پڑھیے۔

ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین۔ یعنی ان تمام تفصیلات کے بعد بھی جو اہل کتاب اپنی ضد پر اڑے ہی رہ جائیں گے اور یہی دعوے کرتے رہیں گے کہ ملت ابراہیم وہی ہے جس پر وہ ہیں اور ملت ابراہیم کا مرکز بیت المقدس ہے تو یہ لوگ اللہ کی آیات کے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ حجت تمام کر دینے کے بعد اس بات سے بے پروا ہو جاتا ہے کہ کون کفر کی راہ اختیار کرتا ہے اور کون ایمان کی

اہمیت کے اسی آخری ٹکڑے پر وہ حدیث مبنی ہے جس میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص استطاعت کے باوجود حج سے بے پروا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی پروا نہیں رہ جاتی کہ وہ یہودی ہو کے مرے گا یا نصرانی ہو کر۔ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے شخص کے رویے میں درحقیقت یہود و نصاریٰ کی اس بے پروائی کا ایک عکس ہے جو انہوں نے بیت اللہ کے معاملے میں اختیار کی اور جس کے نتیجے میں وہ اپنا ایمان ہی گنوا بیٹھے۔

قل یا اھل الکتاب لم تکفرون بایات اللہ واللہ شھید علی ما تعملون (۹۸) قل یا اھل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ من امن تبغونھا عوجا وانتم شھداء وما اللہ بغافل عما تعملون (۹۹)

اب یہ اہل کتاب کو زجر اور ملامت ہے کہ اللہ کی جو نشانیاں ملت ابراہیم، بیت اللہ اور آخری رسول سے متعلق خود تمہارے صحیفوں میں موجود ہیں ان کو اور ان کے مصداق کو جان بوجھ کر کیوں جھٹلاتے ہو؟ اور لوگوں کے ذہن میں کیوں شبہات بھر رہے ہو؟ یہ بات تمہیں معلوم رہنی چاہیئے کہ اللہ اور اس کی آیات کے ساتھ یہ شرارت جو تم کر رہے ہو یہ گویا اللہ کی موجودگی میں کر رہے ہو اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ جنہوں نے اللہ کی توفیق سے یہ راہ پا لی ہے اب تم یہ چاہتے ہو کہ ان کے ذہن میں شبہات پیدا کر کے ان کو کسی ایسے رُخ پر موڑ دو کہ ان کی ملی ہوئی راہ پھر گم ہو کر رہ جائے حالانکہ تم کو اللہ نے پہلے سے اس راہ پر اس لئے کھڑا کیا تھا کہ تم لوگوں کو رستہ بتاؤ گے لیکن تم نے شہداء اللہ ہو کر رہزنوں اور بٹ ماروں کا پیشہ اختیار کر لیا۔ یاد رکھو کہ یہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

افاداتِ فراہیؒ

خالد مسعود

ملکوتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کا مسئلہ قرآنی علوم کے معارف کا ایک خزانہ ہے۔ قرآن مجید کا کوئی طالبعلم جب تک اس مسئلہ کی کنہ کو نہیں پہنچتا، اس کو علوم قرآن کی کلید نہیں ملتی۔ چونکہ ہمارے علماء نے اس مسئلہ سے تعرض نہیں کیا اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس مسئلہ کو سمجھیں، اس کے مختلف پہلوؤں کو کھولیں اور اس سے جو معارف حاصل ہوں، ان کو بیان کریں تاکہ علم دین میں اس مسئلہ کا مقام واضح ہو جائے۔

خدا کی بادشاہی کے مختلف پہلو

جاننا چاہیئے کہ دینی علوم کی شیرازہ بندی پروردگار کی معرفت سے ہوتی ہے۔ اس معرفت کے حاصل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ خدا کی صفات کاملہ کا علم حاصل کیا جائے۔ دیکھا جائے تو خدا تعالیٰ کی اہم ترین صفت یہ ہے کہ بادشاہی میں وہ تنہا ہے کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں اور اس کی بادشاہی کی بنیاد عدل اور رحمت پر ہے۔ مزید غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قیامت بھی خدا کی بادشاہی اور اس کے عدل ہی کے ایک لازمی تقاضے کے طور پر ظاہر ہوگی اور اس کے واقع ہونے میں جو تاخیر ہوئی ہے یہ خدا کی حکمت اور اسکے علم کی بدولت ہے۔ نبوت خدا کی بادشاہی اسکی رحمت اور اسکے عدل کا ایک پرتو ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت نبوت کی تکمیل ہے۔ دنیا میں رحمت اور عدل کا انضمام اس بات کو مستلزم ہے کہ آخرت میں ان کا ظہور اپنی کامل شکل میں ہوگا۔

پس یہ خدا کی بادشاہی کا ایک نقشہ مذکور ہوا۔ بالکل اسی طرح واقعات عالم میں بھی ملکوت الٰہی کا ایک پرتو نظر آتا ہے اور ان کی بنیاد بھی حکمت، عدل، رحمت اور تربیت پر ہے۔ چونکہ اکثر لوگ بے خبری کے باعث اس کو دیکھ نہیں پاتے، اس لئے ہم اس مسئلہ کو مزید کھولیں گے۔

ملکوت الٰہی کا اثبات

سب سے بڑا اور اہم نکتہ جس کے بغیر نہ توحید اور دینِ حق درست رہ سکتے اور نہ دل اور عقل اس کے بغیر اطمینان پاتے ہیں پروردگار

کی بادشاہی اور اس کے عدل کی معرفت ہے یعنی اس بات کو سمجھنا کہ آسمان و زمین کا حکمران اللہ تعالےٰ ہے، کوئی چیز اس کی سلطنت سے خارج نہیں، کائنات کی ہر چیز اسی کی رضا اور اذن کے مطابق جاری و ساری ہے، وہی اس میں اپنی رحمت، عدل اور حکمت کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ اس لئے آسمانوں اور زمین میں شکر کا سزاوار وہی ہے۔ خود قرآن نے اس نکتہ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور اس کو توحید کا ایک اہم پہلو قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (بروج ۹)

"آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے اور اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے"

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ (ملک ۱)

"بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ وہ زندگی دیتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا پھر عرش پر متمکن ہو گیا۔ وہ جانتا ہے اس کو جو زمین میں داخل ہوتا اور جو اس میں سے نکلتا ہے اور اس کو جو آسمان سے اترتا اور جو اس میں چڑھتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں تم ہوتے ہو اور وہ تمہارے عملوں کو دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے

هُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ (حدید، ۱-۶)	اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں، وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔
وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ (زخرف ۸۴، ۸۵)	اور وہی ہے جو آسمان میں بھی الٰہ ہے اور زمین میں بھی الٰہ ہے اور وہ حکمت والا، علم والا ہے اور بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی اور ہر چیز کی جو ان دونوں کے درمیان ہے اور قیامت کا علم اسی کے پاس ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

قرآن میں اس مضمون کی آیات بکثرت ہیں پھر اس مسئلہ کے مزید شواہد وہ آیات ہیں جن میں تصریح کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ اس دنیا میں جو بھی تصرفات ہو رہے ہیں، ان کا کرنے والا خدا ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی کھیتی اگاتا ہے، آسمان و زمین کی طاقتوں کو اسی نے مسخر کر رکھا ہے۔ اسی طرح باطن کے تصرفات مثلاً ہدایت، سکینت، نور، وحی اور توفیق کا عطا کرنے والا بھی وہی ہے۔

پس خدا کی ملکوت کے اس عقیدہ پر عقل اور وحی دونوں متفق ہیں۔ وحی کی تصریحات ہم نے بیان کر دی ہیں مگر عقلی دلائل کو اس بنا پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ بالکل واضح ہیں۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ اس کی قدرت کامل ہے، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور وہ عدل و حق کو پسند کرتا ہے تو اس کے بعد یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہوتا کہ ہر چیز خدا کے حکم اور اس کی حکمت کے تحت ہے اور خدا کی حکومت کی حد میں اس کائنات میں کسی کو تصرف کا اختیار نہیں ہے۔

ملکوت الٰہی کے باب میں باطل مذاہب

لیکن وہ نگاہیں جو صرف ظواہر تک پہنچتی ہیں اور وہ قلوب جو شبہات میں الجھے رہتے ہیں دنیا میں گناہ اور تکالیف کا مشاہدہ کرتے ہیں تو طرح طرح کے وسوسوں اور اوہام میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جب انہوں نے یہ دیکھا کہ یہاں ظلم و فسق کا غلبہ ہے، نیک لوگ یہاں نقصان اٹھاتے ہیں اور گنہ گار سرکش ہیں، تو اس سے ان کے اندر مختلف نظریات پیدا ہوئے۔ ایک گروہ تو دو معبودوں کا قائل ہو گیا، جیسے مجوس[1]۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ دنیا شیطان کے حکم کے تحت ہے[2] جیسے نصاریٰ۔ معتزلہ[3] اس بات کے قائل ہو گئے کہ تکالیف آدمی کے اخلاق کے نتیجہ کے طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن ان کے سامنے جب یہ سوال آیا کہ پھر کمسن بچوں کو کیوں تکالیف پہنچتی ہیں تو ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ یونانیوں[4] کا عقیدہ یہ تھا کہ دیوتا دنیا کے واقعات کا تماشا دیکھ کر خوش ہوتے رہتے ہیں۔ بعض[5] لوگوں نے سرے سے ایک زندہ معبود کے وجود ہی کا انکار کر دیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ شر واثم کمالِ قدرت، کمال علم اور رحمت سے متناقض ہیں۔ ہر دور کے ملحدین کا یہی عقیدہ رہا ہے۔

کفر و شرک اور گمراہی میں مذکورہ پانچ مذاہب پیدا ہوئے لیکن ان میں سے ہر ایک کا عقیدہ محض قصورِ نظر کی پیداوار ہے۔ جہاں تک اس شبہ کے حل کا تعلق ہے تو اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک اجمالی دوسرا تفصیلی۔

اجمالی طریقہ تو یہ ہے کہ جن باتوں پر یقین ہو ان پر ایمان لایا جائے اور شک کے مواقع پر توقف کیا جائے کیونکہ

---

[1] مجوس کا عقیدہ یہ ہے کہ چونکہ دنیا میں خیر و شر دونوں موجود ہیں، اس لئے دونوں کا ایک خالق تسلیم کرنا محال ہے لہذا معبود دو ہونے چاہئیں۔ ایک خیر کا پیدا کرنے والا اور دوسرا شر کا خالق۔ مجوس ان مزعومہ معبودوں کو یزداں اور اہرمن کے نام دیتے ہیں

[2] عیسائیوں کا یہ ایک مسلمہ عقیدہ ہے کہ شیطان کے حکم کے تحت حضرت آدمؑ نے جنت کا پھل کھایا اور اس کی پاداش میں جنت سے نکالے گئے۔ آدم کا یہ گناہ ان کی ذریت کے ساتھ کچھ ایسا پیوست ہو گیا ہے کہ انسان خواہ جتنی نیکیاں بھی کرے وہ اپنے گناہ کو دھو نہیں سکتا۔ اسی لئے خدا تعالیٰ کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے بیٹے کو دنیا میں قربانی کے لئے پیش کرے۔

[3] یونان کے مشرکوں کا خیال یہ تھا کہ اس دنیا کا نظام متعدد دیوتاؤں کے ہاتھ میں ہے جن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہاڑیوں پر بیٹھے رنگ رلیاں منانے میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ انسانوں کو دکھوں میں مبتلا کر کے اپنی دلچسپی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ اسلئے یہ دنیا ان دیوتاؤں کا رچایا ہوا ایک کھیل ہے اور بس۔ اسی تصور کو عرف عام میں بھگوان کی لیلا بھی کہتے ہیں (خ ۔ م)

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا "حق کے مقابل میں ظن کسی کام نہیں آتا۔"

یہ طریقہ ان لوگوں پر بالکل واضح ہے جو علم میں پختہ کار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے علوم ہر چیز کو محیط نہیں ہو سکتے۔ ہم صرف اس چیز کو مانتے ہیں جس کا ہمیں علم ہوتا ہے۔ جو چیزیں مجہول ہوتی ہیں، ان کے بارے میں ہم خاموش رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا۔

"خدا نے ہر چیز کو اپنے وقت میں اچھا بنایا اور جو کچھ پیدا کیا، اس کے اندر حکمت ودیعت کی۔ انسان اللہ تعالیٰ کے کاموں کا شروع سے آخر تک ادراک نہیں کر سکتا۔"

قرآن مجید میں آیا ہے:۔

اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ "اس نے ہر چیز کو بنایا تو اچھا بنایا۔"

رواقی فلسفیوں کا نقطۂ نظر بھی یہ رہا ہے کہ جو کچھ اس عالم میں ہو رہا ہے۔ وہ اچھا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر کوئی نہ کوئی حکمت موجود ہے خواہ وہ ہمیں نظر آئے یا نہ آئے۔ ہماری عقلیں قاصر ہیں لہٰذا وہ ہر چیز کی حقیقت کا احاطہ کیونکر کر سکتی ہیں۔ رواقیوں نے یہ بات اس بنا پر کہی ہے کہ وہ ایک حکیم، کامل اور واحد معبود پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ عقل کو اس پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں۔

شبہ کے حل کا تفصیلی طریقہ یہ ہے کہ ان بنیادی سوالات کا جواب معلوم کیا جائے جن کی بنا پر یہ شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سوالات دو ہیں۔ ایک یہ کہ نفس میں گناہ کیوں پیدا ہوتے ہیں، دوسرا یہ کہ تکالیف کیسے وجود میں آتی ہیں۔ اب ہم ان دونوں پہلوؤں پر گفتگو کریں گے۔ (باقی)

میثاق کے پرانے پرچے

قارئین میثاق اس اطلاع سے لازماً مسرور ہوں گے کہ میثاق کے پرانے پرچوں کا جائزہ لیا گیا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ سوائے چند ایک پرچوں کے تقریباً تمام ہی شمارے محدود تعداد میں موجود ہیں۔ جو حضرات اپنی فائلیں مکمل کرنا چاہیں ان سے درخواست ہے کہ اپنے مطلوبہ پرچے جلد منگوا لیں۔ ہم یہ پرچے تین چوتھائی قیمت پر بذریعہ وی پی ارسال کریں گے اور محصول ڈاک خریدار حضرات کے ذمے ہوگا۔

مینیجر

مقالات

خالد مسعود

زکوٰۃ

زکوٰۃ کا حکم اسلام کے بنیادی اور قدیم احکام میں سے ہے۔ اسلام چونکہ ہر شخص کو اللہ سے اور اس کے بندوں سے صحیح تعلقات استوار کرنے کی تعلیم دیتا ہے، اس لئے اس نے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی بنیادیں ان تعلقات کی تعمیر کے لئے مہیا کی ہیں۔ گویا اگر ان دو احکام کو نظر انداز کر دیا جائے تو خود اسلام کی عمارت بھی کھڑی نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے بغیر اسلام کی تعبیر ہی سرے سے ممکن نہیں اور قرآن مجید نے جہاں کہیں اسلام کی تعبیر کے لئے کم از کم الفاظ استعمال کئے ہیں وہاں اس کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا جامع قرار دیا ہے۔ زکوٰۃ کی اس حیثیت ہی کا یہ تقاضا تھا کہ اسلامی ریاست اپنے حدود اختیار میں اس کا باقاعدہ نظام نافذ کرتی اور اگر کچھ لوگ اس حکم کو ماننے سے انکار کرتے۔ تو ان پر سختی کرنے سے بھی دریغ نہ کرتی۔

زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کے نظام کی تفصیلات اگرچہ ہماری امت کا تاریخی ورثہ ہیں۔ اور قرآن مجید اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر شاہد ہیں۔ تاہم اس حکم کے بارے میں بعض تحقیق طلب سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حکم اس زمانے کے لئے تھا۔ جب انسانی ذہن کی رسائی کسی اچھے مالیاتی نظام تک نہ ہو سکی تھی۔ دور حاضر میں ٹیکسیشن کا نظام اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ اب کسی دقیانوسی نظام مالیات کے باقی رکھنے کی ضرورت نہیں بعض لوگوں کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب اسی وقت تک ہونا چاہئے جب تک عوام سے حکومت کے مزید مالی مطالبات نہ ہوں۔ آج کل انکم ٹیکس اور دوسرے ٹیکسوں کی شکل میں ملک کے ہر شہری کو کچھ نہ کچھ رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ ان حالات میں زکوٰۃ کا مطالبہ برقرار رکھنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ اسلامی حکومت کا واحد ٹیکس ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ٹیکس عائد کرنا ایک غیر اسلامی فعل ہوگا۔ مگر چونکہ موجودہ زمانے کی ریاست کے اخراجات پہلے کی نسبت بہت بڑھ

گئے ہیں اس لیے زکوٰۃ کی ناکافی آمدنی پر انحصار کرنا عقلمندی نہ ہوگی۔ یہ امر ناگزیر ہے کہ زکوٰۃ کی مروجہ شرح پر نظرثانی کرکے اس میں اضافہ کیا جائے۔ بعض لوگ سرے سے یہ ماننے ہی کو تیار نہیں کہ زکوٰۃ کی کوئی شرح بھی مقرر ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں حکومت اس شرح میں کمی بیشی کرتی رہی ہے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے سوالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ زکوٰۃ کے نظام کو قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس کی بنیادوں کو متعین کیا جائے اور ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے۔ جو شریعت کے اس اہم باب کے ضمن میں پیدا ہو رہی ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہم انہی موضوعات کو زیر بحث لائیں گے۔

زکوٰۃ دینِ حنیف کا ایک حکم ہے قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے بنیادی احکام کے لئے اسلامی شریعت منفرد نہیں ہے بلکہ ان کی حامل پہلی امتیں بھی تھیں۔ زکوٰۃ کا حکم وحی کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن کی وساطت سے ان کی نسل کو دیا گیا۔ سورہ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ اور ذریت اسحاقؑ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ (انبیاء - ۷۳)	اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کو نیک کام کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا۔

توریت سے اس بیان کی واضح تائید ہوتی ہے۔ حاصل شدہ مال میں سے دسواں حصہ دینے کا ذکر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت میں کتاب پیدائش (۱۴: ۲۰) میں ہوا ہے، پھر حضرت یعقوبؑ کے تذکرہ میں ان کی ایک منت کا بیان ان الفاظ میں ہوا ہے۔

" اور یعقوب نے منت مانی ..... میں اپنے باپ کے گھر سلامت لوٹ آؤں تو خداوند میرا خدا ہوگا اور یہ پتھر جو میں نے ستون سا کھڑا کیا ہے۔ خدا کا گھر ہوگا اور جو کچھ تو مجھے دے اس کا دسواں حصہ ضرور ہی تجھے دیا کروں گا۔ (پیدائش ۲۸: ۲۰-۲۲)

بنی اسرائیل کی شریعت میں زکوٰۃ کو ایک بنیادی حکم کی حیثیت حاصل رہی اور ان کی ضروریات کے لحاظ سے اس کے احکام بھی زیادہ واضح طور پر دیئے گئے۔ قرآن مجید میں آیا ہے۔

وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ۔ (قیمہ ۳)	ان کو نہیں حکم دیا گیا تھا مگر یہ کہ اللہ کی عبادت کرتے رہیں، اطاعت کو اسی کے لئے خالص کر کے یکسو ہو کر اور نماز قائم کرتے رہیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں اور یہی فطری دین ہے۔

توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ان بنیادی احکام میں شامل تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ سینا پر اپنی قوم کی تعلیم کے لئے دیئے گئے تھے۔ اس کی تفصیل احبار میں یوں بیان ہوئی ہے

"اور زمین کی پیداوار کی ساری دہ یکی خواہ وہ زمین کے بیج کی یا درخت کے پھل کی ہو خداوند کی ہے اور خداوند کے لئے پاک ہے ..... اور گائے بیل اور بھیڑ بکری یا جو جانور چرواہے کی لاٹھی کے نیچے سے گزرتا ہو۔ ان کی دہ یکی یعنی دس پیچھے ایک ایک جانور خداوند کیلئے پاک ٹھیرے" (احبار ۲۷: ۳۰-۳۱)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے ساتھ جو وعدے ہوئے ان کی شرائط میں یہ بات داخل تھی کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کے جواب میں کہ اے پروردگار ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی اس کا مستحق بنا، ہم تیری ہی طرف رجوع ہو چکے، فرمایا گیا۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ (اعراف ۔ ۱۵۷)	میں اس کو ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے۔ زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

عہد نامہ عتیق کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں بنی اسرائیل کو اس شرط کا پاس رہا اور بخوشی اپنے مالوں کا بیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرتے رہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے اندر اس مالی عبادت کا جذبہ سرد پڑ گیا اور وہ حیلوں بہانوں سے اس سے گریز

کرنے لگے۔ ان کے ایک نبی ایک موقع پر خدا کا پیغام انہیں یوں پہنچاتے ہیں۔

"کیا کوئی آدمی خدا کو ٹھگے گا؟ پر تم مجھ کو ٹھگتے ہو اور کہتے ہو ہم نے کس بات میں تجھے ٹھگا؟ دہ یکی اور ہدیہ میں۔ پس تم سخت ملعون ہوئے کیونکہ تم نے بلکہ تمام قوم نے مجھے ٹھگا۔ پوری دہ یکی ذخیرہ خانہ میں لاؤ تاکہ میرے گھر میں خوراک ہو اور اسی سے میرا امتحان کرو۔" (ملاکی ۳: ۸ — ۱۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے اس لئے موسوی شریعت کے مذکورہ احکام ان کی امت پر بھی واجب تھے۔

جہاں تک بنی اسماعیل کا تعلق ہے، یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ان کے اندر دین ابراہیمی کا زکوٰۃ کا حکم نافذ رہا اور زمانہ جاہلیت میں اچھے لوگ مقررکردہ زکوٰۃ ادا کرتے رہے۔ اس بات کے متعدد اشارات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ خود اس حکم پر عمل کرتے رہے اور اپنی اولاد میں اس کو رائج کیا فرمایا

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَ	وہ اپنے اہل خاندان کو صلوٰۃ اور زکوٰۃ
الزَّكٰوةِ (مریم - ۵۵)	کا حکم دیا کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دین حنیف کی نشاۃ ثانیہ کی دعوت دی تو اپنی ابتدائی تعلیمات میں نہ صرف اس سنت ابراہیمی کی تبلیغ کی بلکہ زکوٰۃ کو ایک معلوم و مقرر واجب کی حیثیت سے پیش کیا جیسا کہ قرآن میں ہے۔

فِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ	ان کے مالوں میں مسائل اور محروم کا
وَالْمَحْرُوْمِ (معارج ۲۴)	ایک حق متعین ہے۔

دوسری جگہ فرمایا

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا	اور ہلاکت ہے ان مشرکوں کے لئے
يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ	جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے
هُمْ كٰفِرُوْنَ (حم سجدہ - ۷)	بھی وہ منکر ہیں۔

قرآن مجید نے اپنی ابتدائی تعلیمات میں لفظ "زکوٰۃ" کو اس قدر کثرت کے ساتھ استعمال کیا

ہے کہ معلوم ہوتا ہے جیسے یہی لفظ ان کے ہاں معروف بھی تھا۔

رہا یہ سوال کہ اسلامی زکوٰۃ اور سابقہ شرائع کی زکوٰۃ کے درمیان کیا فرق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ موسوی شریعت میں زمانہ کے حالات اور بنی اسرائیل کی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے زرعی پیداوار اور جانوروں پر زکوٰۃ عاید کی گئی تھی اور یہی بات قرین قیاس ہے کہ بنی اسماعیل بھی اسی پر عامل رہے ہوں گے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں زکوٰۃ کا مصرف خالصتہً حاجتمندوں کی امداد تھا۔ اور حاجتمندوں کی فہرست میں سائل، مساکین، مسافر اور غرباء شامل تھے۔ چنانچہ قرآن نے اپنی ابتدائی تعلیمات میں انہی کو ملحوظ رکھا فرمایا۔

فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (ذاریات ۱۹)	ان کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم کا۔
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائیل ۲۷)	اور رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق

لیکن چونکہ اسلام میں دین کے ہر پہلو کی تکمیل پیش نظر تھی اور اس کے بنائے ہوئے نظام کو ہر زمانہ کے لئے باقی رہنا تھا، اس لئے جونہی مدینہ کی اسلامی ریاست مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہو گئی۔ قرآن نے زکوٰۃ کے مصارف کا دائرہ وسیع کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے مضمرات کی جو تفصیل پیش فرمائی، اس کے تحت زکوٰۃ کا ایک جامع اور منضبط دستور العمل وضع فرما دیا اور اس کو اپنے فرامین کے ذریعے ملک میں نافذ کر دیا۔ اس نظام کی تفصیلات آگے بیان ہوں گی۔

(باقی)

ہندوستانی خریدار

میثاق کا زرِ مبادلہ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جگہ ارسال کر کے ہمیں مطلع فرمائیں۔

۱۔ دفتر ماہنامہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ۔

۲۔ دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ

"تحریکِ جماعتِ اسلامی" — (۲)

اسرار احمد

نقضِ غزل[۱]

[ذیل کا مضمون جس سے دراصل ایک سلسلۂ مضامین کی ابتدا ہو رہی ہے - راقم الحروف کی تالیف "تحریکِ جماعتِ اسلامی" کے ایک باب کے طور پر لکھا گیا تھا اور اس کی کتابت بھی ہو گئی تھی لیکن بعد میں اس خیال سے اسے روک لیا گیا کہ اس طرح ایک تو کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جائے گی اور دوسرے قاری کا ذہن خالص اصولی اور نظریاتی بحث سے ہٹ کر ان افسوسناک اور پیچ در پیچ واقعات میں الجھ کر رہ جائے گا جو جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کے پیش ہونے کے بعد جماعت اسلامی پاکستان کے حلقے میں رونما ہوئے۔ چنانچہ کتاب کے آخر میں صرف اس پر اکتفا کیا گیا کہ وہ قرارداد بھی ضمیمے میں شامل کر دی گئی جو جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پر جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ نے پاس کی تھی اور وہ قرارداد بھی درج کر دی گئی جو شوریٰ کی اس قرارداد کو منسوخ کر کے جماعت کے کل پاکستان اجتماعِ ارکان منعقدہ ماچھی گوٹھ فروری ۱۹۵۷ء نے پاس کی۔

ان دونوں قراردادوں کے مابین جو واقعات و حوادث جماعت اسلامی پاکستان کے حلقے میں پیش آئے۔ وہ اس اعتبار سے نہایت اہم ہیں کہ ان ہی کی وجہ سے جماعت ایک خطرناک انتشار سے دوچار ہوئی اور اس کے رہنماؤں اور کارکنوں کی ایک بڑی تعداد جماعت سے مستعفی

---

[۱] وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا ۝
"اور مت ہو رہو جیسے وہ عورت کہ توڑا اس نے اپنا سوت کاتا ہوا محنت کے بعد ٹکڑے ٹکڑے" (النحل آیت ۹۲)

ہونے پر مجبور ہو گئے۔ جس سے پاکستان کی تحریک اسلامی کا وقار بری طرح مجروح ہوا۔ چونکہ جماعت کا یہ انتشار تاحال جماعت کے اکثر و بیشتر ارکان و متفقین کیلئے بھی ایک معمہ ہی ہے اور ملک اور بیرون ملک کے ان لوگوں کے لئے بھی ایک ناقابل فہم مسئلہ بنا ہوا ہے جو اس ملک میں اسلام کے مستقبل سے دلچسپی رکھتے ہیں لہذا اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس اصولی اور نظریاتی بحث کے ساتھ ساتھ جو وضاحت کے ساتھ پیش کی جا چکی ہے ان واقعات کو بھی سلسلہ وار ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا جائے جن کی وجہ سے جماعت کے بہت سے رہنما اور کارکن جماعت کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ——— ذیل کا مضمون اس سلسلے کی پہلی قسط ہے۔]

راقم الحروف نے جو بیان جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کیا تھا[۱] وہ کمیٹی کو پیش کئے جانے والے تحریری بیانوں میں سب سے زیادہ طویل تھا اور اس کی دوسری امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ جب کہ دوسرے اکثر زبانی و تحریری بیان زیادہ تر جماعت اسلامی کے ارکان و متفقین اور خصوصاً اس کے ہمہ وقتی کارکنوں کی دینی و اخلاقی حالت اور دیانت و تقویٰ کے منافی واقعات و معاملات سے بحث کرتے تھے۔ وہاں اس بیان میں جماعت کی پالیسی پر اصولی تنقید اور اس کے مؤقف کے بارے میں اصولی بحث کی گئی تھی ـــ اس طرح اس بیان نے اس دینی و اخلاقی گراوٹ و انحطاط کی منطقی توجیہہ پیش کر دی جس کی تفصیل دوسرے تحریری بیانوں میں درج تھی اور جس کا تذکرہ جماعت اسلامی کے بے شمار ارکان نے جائزہ کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر زبانی گفتگوؤں میں انتہائی دردمندی اور پریشانی کے ساتھ کیا تھا ـــ گویا کہ جبکہ دوسرے زبانی و تحریری بیان جماعت کے امراض کی علامات سے بحث کرتے تھے وہاں اس بیان نے ان امراض کی تشخیص پیش کر دی اور ان اسباب و عوامل کی نشان دہی کر دی جن سے ان امراض نے جنم لیا تھا اور تقویت پائی تھی۔

جائزہ کمیٹی کے بزرگ رکن مولانا عبد الجبار غازی صاحب نے بعد میں ایک موقع پر مجھے بتایا کہ "تمہارا بیان پڑھ کر میں نے اپنی نوٹ بک میں یہ الفاظ درج کئے تھے کہ "حیرت ہوتی ہے کہ یہ نوجوان جو ہمارے مقابلے میں جماعت اسلامی میں ایک بالکل نو وارد کی حیثیت رکھتا

[۱] جو "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔

ہے اور جسے حالات و واقعات کا علم بہت کم ہے۔ محض لٹریچر کے منطقی تجزیے سے، اِن نتائج تک پہنچ گیا ہے جن تک ہم بوڑھوں کی رسائی تمام حالات و واقعات کے بچشم سر مشاہدے سے ہوئی ہے"۔۔۔ کمیٹی کے ایک دوسرے رکن شیخ سلطان احمد صاحب نے اس بیان کے طریقِ استدلال کا ایک خلاصہ تیار کیا۔ تاکہ فوری حوالے کے کام آسکے۔ شیخ صاحب موصوف ہی نے مجھے ان بعض مقامات کی اصلاح کی جانب بھی متوجہ کیا جہاں شدت جذبات میں سخت الفاظ استعمال ہو گئے تھے۔ چنانچہ میں نے ایسے سخت الفاظ اور جملوں کو قلم زد کر دیا جن سے دلآزاری ہو سکتی تھی اور اصلاح کے بجائے ضد اور ہٹ دھرمی کے پیدا ہو جانے کا امکان تھا۔ کمیٹی کے کنوینر حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اور اس کے چوتھے رکن مولانا عبدالغفار حسن صاحب نے بھی منجملہ اس بیان کو پسند فرمایا اور اس محنت پر مجھے داد دی جو میں نے دو ہفتے کے مختصر وقفے میں اس بیان کے تحریر کرنے پر صرف کی تھی۔

رپورٹ جائزہ کمیٹی جائزہ کمیٹی نے پورے ملک کا دورہ کرنے اور ان ارکان سے ملاقات کے بعد کہ جو جماعت کی پالیسی اور طریق کار یا اس کے نظم و نسق اور دستور سے متعلق اپنا نقطۂ نظر کمیٹی کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔ کچھ عرصہ اس پورے مواد کو مرتب کرنے میں صرف کیا اور بالآخر ایک جامع رپورٹ وسط نومبر ۱۹۵۶ء میں امیرِ جماعت کی خدمت میں پیش کر دی۔

یہ رپورٹ تاحال جماعتِ اسلامی پاکستان کا ایک اعلیٰ سطح کا راز (TOP LEVEL SECRET) ہے۔ ایک رکن شوریٰ کے ان الفاظ سے کہ " دراصل جائزہ کمیٹی نے پوری جماعت میں جھاڑو پھیر کر اس کا سارا گند جمع کیا ہے اور اس غلاظت کے ڈھیر کو اس رپورٹ کی شکل میں پیش کر دیا ہے" کسی حد تک اس رپورٹ کے مواد کے بارے میں اندازہ ہو سکتا ہے اور اگرچہ ان ہی رکن شوریٰ نے یہ کہہ کر " میں دعوے سے کہتا ہوں کہ دورِ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) میں بھی کوئی ایسی جائزہ کمیٹی مقرر کی جاتی تو وہ اس سے بھی زیادہ گندا مواد جمع کر کے پیش کر سکتی تھی" اپنے آپ کو اور اپنی طرز پر سوچنے والے دوسرے لوگوں کو اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ لیکن اس مواد سے جس طرح کا لرزہ جماعت کے ارباب حل و عقد پر طاری ہو گیا تھا، اس کا اندازہ اس سے

کیا جا سکتا ہے کہ جب مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس کے موقع پر اس رپورٹ کی نقول ارکان شوریٰ کو دی گئیں تو ان کو انتہائی تاکید کے ساتھ یہ ہدایت کی گئی کہ اس کی یا اس کے کسی حصے کی نقل شوریٰ سے باہر نہ جانے پائے اور جب ایک موقع پر ایک رکن شوریٰ نے انتہائی سراسیمگی کے عالم میں اعلان کیا کہ ان کا نسخہ غائب ہوگیا ہے تو پوری شوریٰ پر سنسنی طاری ہوگئی اور ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ اور اطمینان کا سانس اس وقت تک نہ لیا جا سکا جب تک یہ معلوم نہ ہوگیا کہ ان صاحب کا نسخہ گم نہیں ہوا تھا۔ اور محض گھبراہٹ کی وجہ سے مل نہیں رہا تھا۔ بلکہ وہیں کہیں کاغذوں میں ادھر ادھر ہوگیا تھا۔

اجلاس مرکزی مجلسِ شوریٰ جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس جو ۲۵ نومبر سے ۱۰ دسمبر ۱۹۵۶ء تک تقریباً دو ہفتے جاری رہا۔ جماعت کی تاریخ میں ایک اہم واقعے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اجلاس میں مجلس شوریٰ کے تمام فعال اور با اثر اراکین واضح طور پر دو گروہوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ جماعت اسلامی غلط رُخ پر بڑھ آئی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں طریقِ کار میں جو تبدیلی کی گئی تھی وہ اصولاً اور مصلحتاً دونوں ہی اعتبار سے غلط تھی اور اب خیریت اسی میں ہے کہ فوراً اس سے رجوع کیا جائے اور "اوپر سے نیچے" انقلاب لانے کے خواب دیکھنا چھوڑ کر پھر وہی "نیچے سے اوپر" کی طرف تبدیلی لانے کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اور دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ یہ فیصلہ جماعتِ اسلامی کے حق میں مہلک ثابت ہوگا۔ جماعت کو اسی موجودہ طریقِ کار پر کاربند رہنا چاہیئے۔ خرابیاں اول تو اتنی نہیں ہیں جتنی کہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ سے معلوم ہوتی ہیں اور جتنی ہیں وہ فطری ہیں اور انسانی تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں یہ خرابیاں نہ پائی جاتی ہوں۔ حتیٰ کہ عین دورِ صحابہؓ میں بھی اگر کوئی جائزہ کمیٹی اس طرز سے "جائزہ" لیتی تو ایسا ہی نہیں اس سے بھی کہیں زیادہ غلیظ مواد جمع کر سکتی تھی۔ پہلے خیال کے پیش کرنے والوں میں سب سے زیادہ نمایاں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب تھے اور ان کے علاوہ مولانا عبدالغفار حسن صاحب اور شیخ سلطان احمد صاحب نے اس خیال کی تائید میں بڑی مؤثر اور درد انگیز تقریریں کیں۔ دوسری جانب کے خطیب اعظم جناب نعیم صدیقی تھے۔

مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے بظاہر اپنے آپ کو "بزرگانِ جماعت" کی

حیثیت سے اس بحث سے بالاتر رکھا لیکن مولانا امین احسن صاحب کے بارے میں یہ بات بالکل ظاہر تھی کہ وہ پہلے گروہ سے اتفاق رکھتے ہیں حتےٰ کہ انہوں نے راقم الحروف کے بیان کو پڑھا تو اس کو بہت سراہا اور تمام اراکین شوریٰ کو بشمول امیر جماعت یہ مشورہ دیا کہ وہ اس بیان کو ضرور پڑھیں - مولانا کے الفاظ کچھ اس طرح کے تھے :-

"اگرچہ اس شخص (راقم الحروف) نے خود مجھ پر بہت سخت تنقید کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے اس سے خوشی ہی ہوئی ہے - میں یہ چاہتا ہوں کہ تمام اراکین شوریٰ اس بیان کو پڑھیں - حقیقت یہ ہے کہ اس شخص نے ہماری ہی تحریروں سے مرتب کر کے ایک آئینہ ہماری نگاہوں کے سامنے لا رکھا ہے جس میں ہم اپنی موجودہ صورت دیکھ سکتے ہیں"

مولانا مودودی صاحب نے اگرچہ براہِ راست بحث میں کوئی حصہ نہیں لیا - اور چند باتیں کہیں تو بھی اس انداز سے کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ پہلو بھی نگاہوں کے سامنے آجائیں ورنہ یہ میری پختہ اور طے شدہ آرا نہیں ہیں - لیکن جائزہ کمیٹی کی رپورٹ سے ان کی ناگواری اور اس پوری بحث سے جو انقباض ان کو ہو رہا تھا - وہ ان کے بشرے سے بالکل ظاہر تھا اور اس کا ہلکا سا اظہار انہوں نے اس طرح کر بھی دیا کہ امارتِ جماعت سے استعفیٰ اس بنا پر پیش کر دیا کہ چونکہ اس رپورٹ میں مجھ پر ذاتی طور پر بہت تنقید ہوئی ہے اور الزامات لگائے گئے ہیں - لہذا میں امارت سے مستعفی ہوتا ہوں تاکہ اس رپورٹ پر غور خوض میری زیرِ صدارت نہ ہو - لیکن ان کے اس خیال کی پوری شوریٰ نے متفقہ طور پر تردید کر دی اور کہا کہ یہاں غالباً کوئی ایک شخص بھی ایسا موجود نہیں ہے جو اس رپورٹ یا اس سے ملحقہ بیانات میں ہدفِ تنقید و ملامت نہ بنا ہو لہذا اسکی کوئی حاجت نہیں کہ کوئی ایک شخص اپنے منصب سے مستعفی ہو۔

جماعت کے تیسرے بزرگ رکن مولانا عبدالجبار غازی صاحب نے بحث میں تفصیلی حصہ لینے کے بجائے انتہائی جذباتی انداز میں مولانا مودودی صاحب کو وہ کیفیات یاد دلائیں جو جماعت کے قیام کے وقت دلوں میں پائی جاتی تھیں اور مولانا سے درخواست کی کہ اب بھی وقت ہے کہ اصلاح کر لی جائے اور اسی اعتماد اور اتحاد کی فضا کو پیدا کر کے ازسرِنو اسی جذبے اور ولولے

کے ساتھ تحریکِ اسلامی کی تجدید کی جائے۔ غازی صاحب پر شوریٰ کی اس صورتِ حال نے کہ وہ دو متحارب گروہوں میں بٹ گئی تھی، بہت برا جذباتی اثر ڈالا۔ چنانچہ دورانِ اجلاس ان پر قلب کا دورہ پڑا اور وہ صاحبِ فراش ہو گئے اور بقیہ اجلاس میں شرکت نہیں کر سکے۔

شوریٰ کے دونوں متضاد اور متحارب گروپوں کا اختلاف انتہا (CLIMAX) پر پہنچ گیا تو پھر ایک ردِّ عمل پیدا ہوا، اور اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ دونوں انتہاؤں کو چھوڑ کر اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ چنانچہ "مصالحت" کی کوششیں شروع ہو گئیں اور بہت کچھ ردّ و قدح اور کسر و انکسار کے بعد ایک قرارداد پر "اتفاق" ہو گیا۔ جس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مجلس شوریٰ جماعتِ اسلامی پاکستان دو ہفتوں کے مسلسل غور و خوض کے بعد ان تمام مسائل و معاملات کے متعلق جو جماعت کے پچھلے کام، آئندہ لائحہ عمل اور عام حالات کے بارے میں جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کے ذریعہ سے زیرِ بحث آئے تھے۔ حسب ذیل نتائج پر پہنچی ہے۔

(۱) جماعت نے تقسیم ملک سے پہلے اور بعد اب تک جو کام کیا ہے اس کے متعلق مجلس شوریٰ اس بات پر مطمئن ہے کہ جماعت اپنے اصول، مسلک اور بنیادی پالیسی سے منحرف نہیں ہوئی ہے۔ البتہ تدابیر کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں اور صحیح قرار دینے کی صورت میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مفید نتائج کے ساتھ بعض مضر نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں۔ جنہیں رفع کرنے کی ہم سب کو کوشش کرنی چاہیئے۔

(۲) مجلس شوریٰ کی رائے میں جو لائحہ عمل ۱۹۵۱ء کے اجتماع عام منعقدہ کراچی میں پیش کیا گیا تھا، اور جو اب تک جماعت اسلامی کا لائحہ عمل ہے۔ وہ اصولاً بالکل درست ہے اس کو برقرار رہنا چاہیئے۔ لیکن مجلس شوریٰ یہ محسوس کرتی ہے کہ دستورِ اسلامی کی پیہم جدوجہد کی وجہ سے لائحہ عمل کے پہلے تین اجزا کے لئے خاطر خواہ کام نہیں ہو سکا ہے اور اس کے باعث ہمارے بنیادی کام میں بہت بڑی کسر رہ گئی ہے اسلئے

مجلس کی متفقہ رائے یہ ہے کہ جماعت کی بنیادی دعوت اور لائحۂ عمل کے پہلے تین اجزاء کی طرف اب پوری توجہ اور کوشش صرف کرنے کی ضرورت ہے اور اس بنا پر سردست کسی انتخابی مہم کے لئے کام کرنا قبل از وقت ہوگا۔ البتہ اسلامی اقدار کے قیام و بقا اور دستور اسلامی کے تحفظ، اصلاح اور نفاذ کے لئے ناگزیر اقدامات سے دریغ نہ ہونا چاہیئے۔

(۳) مجلس کی رائے میں نظام جماعت کے اندر اصل حجت کتاب و سنت ہے اور اس کے بعد آئینی سند ہونے کی حیثیت جماعتی لٹریچر کی عبارات کو نہیں بلکہ دستور جماعت اور ان جماعتی فیصلوں کو حاصل ہے جو دستور کے مطابق جماعت کے مجاز اداروں (امارت، مجلسِ شوریٰ اور ارکان کے اجتماعِ عام) نے کئے ہوں۔ البتہ لٹریچر ایک مستقل ذریعہ دعوت ہے اور رہے گا۔ اگر جماعتی فیصلوں میں کوئی چیز لٹریچر کے کسی مضمون سے مختلف پائی جائے تو وہ یا تو اس مضمون کی ناسخ ہوگی یا اس مضمون کے وہی معنی معتبر ہوں گے جو جماعتی فیصلوں کے مطابق ہوں۔

(۴) جائزہ کمیٹی کے ذریعہ سے جماعت کے جو اصلاح طلب حالات و معاملات مجلس کے سامنے آئے ہیں ان کے حقیقی اسباب مشخص کرنے اور ان کی اصلاح کے لئے مناسب تدابیر تجویز کرنے کا کام ایک مجلس کے سپرد کر دیا گیا ہے جو امیر جماعت، مولانا امین احسن صاحب، چوہدری غلام محمد صاحب اور نعیم صدیقی صاحب پر مشتمل ہوگی۔ علاوہ بریں جائزہ کے دوران میں جن متعین واقعات کی نشان دہی مختلف مقامات پر جائزہ کمیٹی کے سامنے کی گئی ہے، ان کی تحقیقات اور اصلاح کے لئے مجلسِ شوریٰ نے مناسب طریقہ تجویز کر دیا ہے جس کے مطابق جتنے الامکان جلدی کارروائی کی جائے گی۔"

یہ قرارداد ایک مصالحتی فارمولا تھی جو محض اس خوف کے منفی محرک سے معرض وجود میں آئی تھی کہ اگر کچھ لے اور دے یعنی (GIVE AND TAKE) کے اصول کے تحت "صلح" نہ کی گئی تو جماعت اسلامی کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ اس میں :- ایک طرف اس خطرے کا سدِباب کیا گیا کہ اگر یہ اعتراف کر لیا گیا کہ ہم نو دس سال ایک غلط راستے پر چلتے رہے ہیں۔ تو نہ صرف یہ کہ جماعت کے کارکنوں کی ہمت شکنی ہوگی اور ان میں کام کرنے کا جذبہ باقی نہ رہیگا۔

بلکہ جماعت کی قیادت پر سے ان کا اعتماد بالکل اٹھ جائے گا اور اس کا وہ وقار باقی نہیں رہے گا جو نظم جماعت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے - چنانچہ "تدابیر کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں دو رایوں" کے امکان کو تسلیم کرنے اور "بعض مضر نتائج" کے برآمد ہونے کے اقرار کے ساتھ ساتھ کارکنانِ جماعت کو اطمینان دلایا گیا کہ "جماعت اپنے اصول، مسلک اور بنیادی پالیسی سے منحرف نہیں ہوئی ہے"

دوسری طرف جماعت کی بعد از تقسیم کی پالیسی میں نہ صرف یہ کہ "عدم توازن" کا اقرار کیا گیا جس کی بنا پر جماعت کے "بنیادی کام میں بڑی کسر رہ گئی ہے" ـــــ بلکہ عملاً اس طریقِ کار کے ایک ستون یعنی انقلابِ قیادت بذریعہ انتخابات" کو بالکل ہی منہدم کر دیا گیا۔ اور دوسرے ستون یعنی" دستورِ اسلامی کے تحفظ، اصلاح اور نفاذ" کے لئے بھی بس "ناگزیر" اقدامات کی اجازت برقرار رکھی گئی ۔

اس طرح یہ قرارداد ایک پیچیدہ مصالحتی فارمولا بن گئی جو اپنے الفاظ اور ان کی ترتیب کے اعتبار سے کسی ذہین مصنف کا شاہکار تو قرار دی جا سکتی تھی لیکن اس سے اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ جماعت کے کارکنوں کو ذہنی اطمینان حاصل ہوتا اور ان کے سامنے اپنے سفر کا رخ اور آئندہ کے طریقِ کار کا واضح نقشہ آسکتا۔

اس قرارداد پر دستخط ثبت کر کے شوریٰ نے اطمینان کا سانس لیا اور اسطرح بزعمِ خویش جماعت اسلامی کو انتشار سے بچا کر شوریٰ کے معزز اراکین اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے ۔

ردِّ عمل ـــــــــ !

لیکن جلد ہی شوریٰ کے اس اجلاس کی کارروائی اور اس کی پاس کردہ اس قرارداد کے خلاف ردِّ عمل شروع ہوا۔

ایک طرف اراکین شوریٰ اپنے اپنے حلقوں کو لوٹے اور وہاں ارکانِ جماعت نے ان سے قرارداد کی وضاحت طلب کی تو مختلف طرزِ خیال کے لوگوں نے اپنے نقطۂ نظر سے وضاحت کی اور شوریٰ میں جو واقعی ذہنی انتشار موجود تھا وہ جنگل کی آگ کی طرح جماعت کے بعض حلقوں

کے ارکان میں پھیلنا شروع ہو گیا۔

دوسری طرف مولانا مودودی صاحب پر ایک شدید ذہنی اور نفسیاتی ردعمل کے اثرات رونما ہوئے۔ ظاہر بات ہے کہ مولانا موصوف ہی جماعتِ اسلامی کے موسس تھے اور وہی از یوم تاسیس تا امروز اس کے امیر رہے تھے۔ جماعت کی بعد از تقسیم پالیسی کے معمار (ARCHITECT) بھی خود وہی تھے۔ لہٰذا اس پالیسی کے بارے میں اس فیصلے سے کہ یہ غلط تھی، ایک طرح سے ان کے فہم و فراست پر حرف آتا تھا اور اس کو برداشت کرنے کے لئے بہت زیادہ ہمت کی ضرورت[1] تھی۔ شوریٰ کے اجلاس کے دوران کچھ تو مولانا ہمت قائم کئے رہے اور کچھ شوریٰ کی اکثریت چونکہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ سے شدید متاثر تھی لہٰذا بے بس سے بھی رہے ـــــ لیکن اجلاس کے بعد ان کی طبیعت میں ردِ عمل شروع ہوا جس کو ان کے آس پاس جماعت کے مرکزی عملے کے لوگوں نے تقویت پہنچائی۔ درحقیقت یہ مولانا مودودی کے لئے آزمائش کا ایک فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ ان کے سامنے دو راستے کھلے تھے:۔

ایک اصلاح کی سواء السبیل کہ غلطی کا اعتراف کر کے تلافیٔ مافات کی سعی کی جاتی ـــــ اور جلدی میں جو اقدام ۱۹۶۴ء میں کر دیا گیا تھا، اس کو غلط تسلیم کر کے از سرِ نو سفر شروع کیا جاتا ـــــ اس میں اس تحریک کی خیر بھی تھی اور اسی کا تقاضا وہ "شورائیت" اور "جمہوریت" بھی کرتی تھی جس پر جماعت کے دستور کی بنیاد رکھی گئی تھی کہ اب جبکہ مرکزی مجلسِ شوریٰ کی ایک واضح اکثریت نے ایک واضح (DIRECTIVE) دے دیا تھا۔ مولانا شوریٰ کی رائے کا احترام کرتے اور جماعت کا رُخ تبدیل کر دیتے ـــــ اگر مولانا ایسا کرتے تو شوریٰ کے وہ اراکین جنہوں نے انہیں اس رُخ پر مڑنے پر مجبور کیا تھا۔ بہرحال ان کے دیرینہ نیاز مند اور رفیقِ کار اور ان ہی کی دعوت پر جمع ہونے والے لوگ تھے۔ اور اس کا کوئی سوال نہ تھا کہ مولانا کے ان سے "شکست" کھانے کا تصور پیدا ہوتا۔

دوسری وَاَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ کی قدیم راہ کہ طریقِ کار کی تبدیلی کو اپنی ذاتی شکست تصور کر کے "عزتِ نفس" کے تحفظ کے لئے مرنے مارنے پر تل جایا جائے۔

بدقسمتی سے مولانا مودودی نے اس دوسری راہ کو اختیار کیا اور آیۂ قرآنی وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا کا مصداق بن گئے اور پوری بے رحمی کے ساتھ اس سارے

---

[1] وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝

تانے بانے کو تار تار کرنے پر تُل گئے جسے بہت محنت مشقت سے بیس پچیس سال کی محنت سے خود بُنا تھا۔

ارکان جائزہ کمیٹی پر الزام سازش

چنانچہ شوریٰ کے اجلاس کے خاتمے کے بارہ تیرہ دن بعد ہی مولانا مودودی صاحب نے جائزہ کمیٹی کے ارکان کے بارے میں ایک چارج شیٹ مرتب کی اور قیم جماعت کو ہدایت کی کہ وہ اس کو ارکانِ جائزہ کمیٹی کو بھیج دیں۔ یہ مہلک دستاویز جس نے جماعت اسلامی کو سر سے پیر تک ہلا کر رکھ دیا یہ تھی:۔

مؤرخہ ۲۳ دسمبر ۵۶ء

جائزہ کمیٹی کی کارگزاری اور اس کے بعد اس کمیٹی کے اس رویہ پر جو اس نے مجلس شوریٰ میں اختیار کیا خوب غور کرنے کے بعد میں حسب ذیل نتائج پر پہنچا ہوں۔

۱۔ یہ کمیٹی جیسے غیر مطمئن ارکان کے خیالات معلوم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا، دراصل خود غیر مطمئن بلکہ انتہائی غیر مطمئن ارکان پر مشتمل تھی۔ مجلس شوریٰ میں کمیٹی کے ارکان کی تقریروں سے اب یہ بات قطعی طور سے ظاہر ہو چکی ہے کہ ان کے خیالات اور دلائل اور اخذ کردہ نتائج بالکل وہی ہیں یا قریب قریب وہی ہیں جو اس کمیٹی کے سامنے پیش ہونے والے لوگوں میں سب سے زیادہ غیر مطمئن اصحاب کے ہیں۔

۲۔ درحقیقت یہ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ ایک ایسی کمیٹی جس کی سپرد اس قدر اہم کام کیا گیا تھا، ایک ہی عنصر اور وہ بھی انتہائی غیر مطمئن عنصر پر مشتمل ہو۔ لیکن چونکہ کمیٹی مقرر کرتے وقت اسکے ارکان کے خیالات کی اس انتہا پسندی اور شدت کا نہ صرف مجھے بلکہ اکثر ارکان شوریٰ کو کوئی اندازہ نہ تھا اس لئے کسی کو اس کی ترکیب کے غلط ہونے کا احساس نہ ہوا۔

۳۔ میں اس کی کوئی وجہ نہیں سمجھ سکا کہ خود اس کمیٹی کے ارکان نے کسی مرحلہ پر بھی آخر یہ کیوں محسوس نہ کیا کہ اس نازک کام کا کلیتہً ان ہی کے سپرد کرنا اور رہنا کس قدر نامناسب ہے۔ یہ تصور کرنا میرے لئے مشکل ہے کہ اس پورے کام کے دوران میں کسی وقت بھی وہ یہ محسوس نہ کر سکے تھے کہ وہ معاملات کو تقریباً ایک ہی نظر سے دیکھ رہے ہیں اور وہ اس بات سے بھی ناواقف تھے کہ مجلس شوریٰ میں تمام لوگوں کا نقطہ نظر وہ نہیں ہے جو ان کا اپنا ہے۔ میرے نزدیک

ان کا یہ اخلاقی فرض تھا۔ کہ مجھے اور مجلس شوریٰ کو معاملہ کی اس نوعیت سے آگاہ کر کے خود اس امر کی ضرورت ظاہر کرتے کہ کمیٹی میں دوسرے نقطہ نظر کے لوگوں کو بھی شامل ہونا چاہیئے۔ مجھے افسوس ہے کہ انہوں نے اس فرض کا نہ احساس کیا نہ اس کو ادا کیا اور نہ مجلس شوریٰ میں اس امر کا اعتراف کیا کہ کمیٹی کی تشکیل میں یہ بنیادی خامی موجود تھی بلکہ شوریٰ کے اجلاس میں جب کبھی اس خامی کی نشان دہی کرنے کی کوشش کی گئی تو ان کی طرف سے بڑی تلخی کے ساتھ اس کی مزاحمت ہوئی

۴۔ میں یہ قطعی رائے رکھتا ہوں کہ جائزہ کمیٹی کے ارکان نے مجلس شوریٰ کے تجویز کردہ حدود کار سے تجاوز کیا، خود اپنے حدود کار کو وسیع کیا اور ان امور کی تحقیقات اپنے ذمہ لے لی۔ جن کی وہ خود تحقیقات کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ اگر مجلس شوریٰ کو فی الواقع ان امور کی تحقیقات کرانے کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ کوئی دوسری کمیٹی دوسرے حدود کار کے ساتھ اور دوسری ہدایت کے ساتھ مقرر کرتی اور اس کے لئے وہ طریق کار ہرگز اختیار نہ کرتی جو اس کمیٹی نے اختیار کیا۔ میں امیر جماعت ہونے کی حیثیت سے یہ بات بالکل غیر مبہم انداز میں کہتا ہوں کہ کمیٹی کے تقرر کے وقت میرے ذہن میں ہرگز یہ تصور نہ تھا کہ اس نوعیت کی تحقیقات اس کمیٹی کے سپرد کی جا رہی ہے۔ ورنہ میں یہ کام اس طریقہ سے کرنے کے لئے اس کمیٹی کے تقرر پر راضی نہ ہوتا۔ لیکن مجلس شوریٰ کے اجلاس میں جب میں نے کمیٹی کے کام کی اس دوسری بنیادی خرابی کو بیان کرنے کی کوشش کی تو نہایت تلخ انداز میں اس کی بھی مزاحمت کی گئی بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں میرا منہ بند کرنے کی کوشش کی گئی۔ میں نے اس وقت یہ محسوس کیا کہ یہ حضرات اب مجلس شوریٰ میں ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں۔ جن میں کوئی دوسرا رکن شوریٰ تو درکنار خود امیر جماعت بھی اپنی رائے آزادی کے ساتھ ظاہر نہیں کر سکتا۔

۵۔ اس کمیٹی نے ساری تحقیقات بالکل ایک مخصوص نقطہ نظر سے کسی اور اپنی رپورٹ میں جماعت کی صرف ایک رخی تصویر پیش کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ سارے مواد کو اس طرز پر مرتب کیا کہ جن انتہائی نتائج پر وہ مجلس شوریٰ کو پہنچانا چاہتی تھی ان کی تائید اس پورے مواد سے حاصل ہو۔ میں نے اس خامی کی طرف بھی مجلس شوریٰ کی توجہ دلانے کی کوشش کی کیونکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ رپورٹ کی اس مخصوص ہیئت سے بحیثیت مجموعی مجلس شوریٰ کے ذہنی

توازن پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔ اور وہ اس کے تحت غلط فیصلے کر سکتی ہے۔ لیکن اس خدمت کی انجام دہی سے بھی جو دیانتاً امیر جماعت ہونے کی حیثیت سے میرا فرض تھا، مجھے اس تلخی کے ساتھ روکا گیا اور میں نے محسوس کیا کہ جتھہ بندی کر کے میرے لئے وہ حالات پیدا کئے گئے ہیں، جن میں میں امیر جماعت کے فرائض انجام دینے کے بجائے بعض مخصوص لوگوں کا آلہ کار اور ان کے اشاروں پر چلنے والا بن کر رہوں۔

۶۔ اس صورت حال کو دیکھ کر میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ یا تو امارت سے مستعفی ہو جاؤں یا جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا خطرہ مول لے کر اپنے فرائض اس سختی کے ساتھ انجام دوں جو ایسے حالات میں ایک فرض شناس امیر جماعت کو اختیار کرنی چاہیئے۔ میں نے جماعت کی بہتری اسی میں سمجھی تھی کہ پہلی صورت اختیار کروں چنانچہ میں نے استعفیٰ پیش بھی کر دیا۔ مگر افسوس ہے کہ اسے قبول نہ کیا گیا اور مجھے مجبور کر دیا گیا کہ یا تو میں دوسری صورت اختیار کروں یا پھر مجلس شوریٰ کو ان غلط نتائج پر پہنچ جانے دوں جن پر یہ حضرات اسے اپنی جتھہ بندی کے ذریعہ پہنچانا چاہتے تھے اور مزید برآں ان نتائج کو جماعت میں نافذ کرنے کی ذمہ داری بھی اپنے سر لوں۔

۷۔ مجلس شوریٰ میں ان لوگوں کے غلط رویہ کی وجہ سے جس میں ضد، بے جا اصرار، شدت اور جتھہ بندی کے سارے عناصر پائے جاتے تھے، آپ سے آپ ان ارکان شوریٰ کے اندر بھی ایک مخالف پارٹی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی جو ان کے ہم خیال نہ تھے۔ اس طرح جماعت اسلامی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جماعت کے اندر جماعتیں بننے کا عملاً آغاز ہو گیا۔ جسے اگر اسی وقت نہ روکا گیا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ تحریک اور جماعت بہت برے انجام سے دوچار ہو گی۔

۸۔ یہ بھی جماعت کی تاریخ میں پہلا ہی موقعہ ہے کہ مجلس شوریٰ کے اندر ایک جتھہ نے اپنی شدت، ہٹ اور مشترک کوشش بلکہ جماعت میں تفریق برپا ہو جانے کے خطرے کا دباؤ ڈال کر امیر جماعت اور بقیہ ارکان شوریٰ سے اپنی بات منوانے اور پھر بالآخر ایک مصالحتی فارمولا طے کرنے کا طریقہ اختیار کیا اور اس طرح "مصالحتی فارمولا" میں کچھ چیزیں اس طرح داخل کرانے کی کوشش کی کہ گویا یہ ان کی طرف سے جماعت کے اندر رہنے یا جماعتی تفریق کی سعی سے باز رہنے

کی شرائط ہیں۔ جن سے ہٹنے کے لئے وہ تیار نہیں ہیں۔ میں اسے جماعت اسلامی کی بدقسمتی کا آغاز سمجھتا ہوں اور مجھے اندیشہ ہے کہ اس رجحان کی ہمت افزائی کی گئی تو یہ جماعت خراب ہو کر رہے گی۔

۹۔ میں یہ رائے تو قطعاً نہیں رکھتا بلکہ مجھے اس کا شبہ بھی نہیں ہے کہ جائزہ کا یہ پورا کام اور مجلس شوریٰ میں جائزہ کمیٹی کے ارکان کا کردار ایک دانستہ سازش کا نتیجہ تھا۔ لیکن میرا احساس یہ ہے کہ اس سے عملاً نتائج وہی برآمد ہوئے ہیں جو ایک دانستہ سازش سے برآمد ہو سکتے تھے، اور اب نہیں تو آئندہ اس سے جماعت اسلامی میں بجوی اور سازشی طریق کار اور جتھہ بندی اور جتھوں کی کشمکش کا دروازہ کھل جائے گا۔ جو طریق کار کمیٹی کے ارکان نے اختیار کیا اس سے عملاً معاملہ کی جو صورت بنی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی بات منوانے کے لئے مجلس شوریٰ میں آنے سے پہلے انہوں نے جماعت کے فراہم کئے ہوئے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر پوری جماعت میں اپنے ہمخیال لوگ ڈھونڈے۔ ان کا ایک جتھہ مجلس شوریٰ کے باہر تیار کیا۔ ان کے انفرادی خیالات و نظریات کو جمع کر کے ان کا ایک اجتماعی مقدمہ بنایا۔ اس مقدمہ کی پشت پر جماعت کے ان سارے لوگوں کی شکایات و اعتراضات کو جمع کیا۔ جن کے وہم و گمان میں بھی اس خاص مقدمہ کو مضبوط کرنے کا تخیل نہ تھا۔ پھر اس سروسامان سے لیس ہو کر یہ حضرات یکایک مجلس شوریٰ کے سامنے ایک پارٹی کی صورت میں نمودار ہوئے اور پوزیشن یہ اختیار کی کہ ان کے نظریات صرف ان ہی کے نظریات نہیں ہیں بلکہ باہر غیر مطمئن لوگوں کی ایک کثیر تعداد ان کی پشت پر موجود ہے لہٰذا یا مجلس شوریٰ اس راستہ پر چلے جس پر وہ اسے چلانا چاہتے ہیں ورنہ جماعت میں ایک بڑی پھوٹ پڑ کر رہے گی۔ اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہ یہ چال چلنے کا ارادہ کیا گیا تھا یا نہیں مگر مجلس شوریٰ کو اور خود مجھے جس صورت واقعی سے دوچار ہونا پڑا وہ یہی تھی اور اس کا اثر ایک دانستہ سازش سے کچھ بھی مختلف نہ تھا۔

ان امور پر غور کرنے کے بعد میں اس قطعی رائے پر پہنچ چکا ہوں کہ میرے لئے مجلس شوریٰ میں ان ارکان کے ساتھ کام کرنا بالکل ناممکن ہے جن پر جائزہ کمیٹی مشتمل تھی۔ بعض اور حضرات کا رویہ بھی میرے لئے ناقابل برداشت ہو چکا ہے۔ مگر ان کا نوٹس میں بعد میں لوں گا۔ سردست جائزہ

کمیٹی کے ارکان کے معاملہ میں دو صورتیں تجویز کرتا ہوں۔

اوّل یہ کہ وہ خود مجلس شوریٰ کی رکنیت سے مستعفی ہو جائیں۔

دوم یہ کہ میرے اس نوٹ کو ان کے حلقۂ انتخاب میں ارکان تک پہنچا دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ اگر وہ مجھ سے امارت کی خدمت لینا چاہتے ہیں تو اپنے ان نمائندوں کو واپس لے کر دوسرے نمائندے منتخب کریں۔

قیم جماعت کو میں ہدایت کرتا ہوں کہ اس نوٹ کی نقلیں ان چاروں حضرات کو بھیج دیں اور ان سے درخواست کریں کہ آئندہ حلقہ وار اجتماعات سے پہلے وہ مرکز کو اطلاع دیں کہ وہ ان دونوں صورتوں میں سے کس کو پسند کرتے ہیں۔ اگرچہ غازی صاحب آخر تک مجلس شوریٰ کی کارروائیوں میں شریک نہیں رہے ہیں اور اس بنا پر وہ ان تمام باتوں کے ذمہ دار قرار نہیں دیئے جا سکتے جن کا ذکر پیراگراف نمبر چھ سے نمبر نو تک کیا گیا ہے۔ لیکن باقی امور کی ذمہ داری میں وہ بھی برابر کے شریک ہیں۔

میری طرف سے ان چاروں حضرات کو پورا اطمینان دلا دیا جائے کہ آنے والے حلقہ وار اجتماعات میں ان کو ارکان جماعت کے سامنے اپنے خیالات کو پیش کرنے کا کھلا اور آزادانہ موقعہ دیا جائیگا۔ اگر وہ ارکان جماعت کو یا ان کی اکثریت کو ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو انشاء اللہ جماعت کی قیادت ان کی طرف منتقل ہونے میں ذرہ برابر بھی رکاوٹ پیش نہ آئے گی لیکن اگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکیں تو یہ فیصلہ کرنا ان کا اپنا کام ہوگا کہ آیا وہ مطمئن ہو کر اس جماعت کے ساتھ چل سکتے ہیں یا نہیں۔ مطمئن نہ ہونے کی صورت میں ان کے لئے زیادہ بہتر ہے کہ جماعت سے الگ ہو کر جس طریقہ پر خود کام کرنا صحیح سمجھتے ہوں اس پر عمل کریں۔ اس جماعت کے اندر نظریات کی کشمکش برپا کرنے کا حاصل اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ نہ وہ خود دین کی کوئی خدمت کر سکیں گے اور نہ جماعت کے دوسرے لوگ ہی کسی خدمت کے قابل رہ جائیں گے۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ اس جماعت کو خراب کرنا کسی غیر مطمئن رکن جماعت کی نگاہ میں بھی کوئی خدمت دین تو نہ ہوگا۔"

(دستخط) ابوالاعلیٰ

۲۳ دسمبر ۵۶ء "

(مسلسل)

تقریظ و تنقید

تبصرہ محمودی بر ہفواتِ مودودی

حصہ اوّل

مصنف : محمود احمد عباسی

صفحات : ۲۵۰ قیمت : تین روپے پچیس پیسے

ملنے کا پتہ : مکتبہ علم و حکمت ، سوتر منڈی ، لاہور

"خلافتِ معاویہ و یزید" کے مصنف محمود احمد عباسی صاحب پاک و ہند میں اب کسی تعارف کے محتاج نہیں صدرِ اول کی اسلامی تاریخ کے مشکل ترین ابواب کو آپ نے موضوعِ بحث بنایا اور اپنی دقیق نظر اور خداداد ذہانت کی بدولت ان کی گرہوں کو اتنی خوبی سے کھولا۔ کہ مستقبل کے اسلامی مؤرخین آپ کے مرہونِ منت رہیں گے۔ زیرِ نظر کتاب بھی عباسی صاحب کی تصنیف ہے۔ جس میں مولانا مودودی کے ان مضامین پر تبصرہ کیا گیا ہے جو "خلافت راشدہ سے ملوکیت تک" کے عنوان کے تحت ماہنامہ ترجمان القرآن میں شائع ہوتے رہے ہیں ، اور جن پر اب تک متعدد اہلِ علم تنقیدیں لکھ چکے ہیں۔

چونکہ مولانا مودودی نے اپنے مضامین میں حضرت عثمان رض کے دورِ خلافت پر مفصّل کلام کیا ہے اور حضرت علی رض ، حضرت معاویہ رض کی خلافتوں کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر زیرِ نظر کتاب میں بھی خلافت راشدہ کے یہی ادوار زیرِ بحث آئے ہیں۔ اس طرح حضرت عمر رض کی جانشینی ، حضرت عثمان رض کے زمانہ میں شر پسندوں کی فتنہ جوئی ، حضرت علی رض کی خلافت کی حیثیت ، مسئلہ تحکیم اور یزید کی ولایت عہد پر موضوعات پر عباسی صاحب کی تحقیق اس کتاب میں بیان ہو گئی ہے۔ فاضل مصنف نے بحث پوری تفصیل سے کی ہے اور مولانا مودودی کے موقف کی کمزوری کو واضح کیا ہے۔ یوں تو ہر مسئلہ پر عقلی و نقلی دلائل کا انبار لگا دینا عباسی صاحب کی تصانیف کی خصوصیت ہی ہے مگر اس کتاب میں دلائل کی ارزانی کے علاوہ متعدد مقامات پر انہوں نے یہ بھی

ثابت کیا ہے کہ مودودی صاحب نے بعض بنی امیہ میں صحیحین کی روایات کو نظر انداز کر کے بالکل غیر مستند اور وضعی روایات پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے۔ اسی ذیل میں عباسی صاحب نے اسلامی تاریخ کے مطالعہ کے لئے ایک رہنما اصول بھی بتایا ہے۔ فرماتے ہیں :-

"وہی بات کہنی چاہیئے جو نصوص صریحہ وثابتہ کے موافق ہو۔ صحابہ کرام کے شایانِ شان ہو، اور ان وعدوں کے مطابق ہو جو اللہ تعالیٰ نے اس امت سے کئے اور اس نظام خلافت کے ذریعہ انہیں پورا کیا جسے صحابہ کرام نے قائم کیا تھا" ص۵۵

یہ اصول فی الواقع اس قدر اہم ہے کہ اگر ہمارے مؤرخین اس کو اپنا لیں تو ہماری تاریخ کی تمام عظمتیں پوری طرح مشخص ہو سکیں گی۔

'تبصرۂ محمودی' اس اعتبار سے ایک اہم تصنیف ہے کہ اس میں حضرت عثمانؓ پر سبائیوں کے عائد کردہ الزامات کا شافی جواب مل جاتا ہے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ خلیفہ ثالثؓ پر الزامات کی فہرستیں ہماری تاریخ کی کتابوں کا ایک لازمی جزو بن گئی ہیں، اور مولانا مودودی نے تو یہ فہرست بڑے اہتمام کے ساتھ مرتب کی ہے۔ مگر عباسی صاحب تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے دامن کو داغدار ثابت نہیں ہونے دیا۔ حضرت عثمانؓ کی 'کنبہ پروری' کا پروپاگنڈہ سننے والوں کو یہ جان کر یقیناً حیرت ہوگی کہ حضرت عثمان کے مقرر کردہ ۲۳ عمال میں سے صرف چار اموی تھے۔ حالانکہ عہدِ نبوی میں حضورؐ کے مقرر کردہ اسی فیصد عمال بنی امیہ میں سے تھے۔ فاضل مصنف نے خاص طور پر ان عمال کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جن پر بڑی شد و مد کے ساتھ الزام تراشیاں کی جاتی ہیں۔ انہوں نے نظام بیت المال کے متعلق جو معلومات مہیا کی ہیں۔ ان سے فی الواقع بڑی الجھنیں رفع ہونگی۔

حضرت علیؓ کی خلافت کے باب میں فاضل مصنف نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اس دعویٰ کو بہت مدلل کر دیا ہے کہ حضرت علیؓ اگرچہ خلیفہ راشد تھے مگر بوجوہ ان کی خلافت قائم نہ ہو سکی۔

فقہ اسلامی میں صحابہ کرامؓ کے اجماع کو جو اہمیت دی گئی ہے۔ وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں عباسی صاحب نے اسی تعاملِ صحابہ سے استشہاد کر کے اہلِ علم کے لئے ایک قابلِ غور مسئلہ پیدا کر دیا ہے یزید کی نامزدگی پر صحابہ کرامؓ کے اتفاق کو بیان کر کے لکھتے ہیں۔

"اس طرح یہ اصول طے ہوا کہ جانے والے امام کا جانشین اس کا فرزند ہو سکتا ہے اس اجماع کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی کہ جانے والا خلیفہ اگر اپنے بعد اپنے فرزند کیلئے وصیت کرنا چاہیئے تو اول رائے عامہ سے استصواب کرے" ص ۱۰۵

عباسی صاحب کی تحریر میں کہیں کہیں استخفاف کا انداز پیدا ہو گیا ہے۔ "مودودی صاحب کے دل میں معلوم ہوتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و محبت و حرمت نہیں"۔ اور "مودودی صاحب کو ایمان اور علم کا دعویٰ تو ایسا ہے کہ اپنے آپ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سے بھی بڑا مجدد سمجھتے ہیں" جیسے فقرات اور کتاب کا نام اس کی ثقاہت کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔

(بقیہ تذکرہ و تبصرہ صفحہ ۵ سے آگے)

نہ ہی ایسا ہو سکا کہ تنظیمی اعتبار سے اختلاف کرنے والوں کی ذہنی ساخت ایسی بنتی کہ وہ بدرجہ مجبوری اگر جماعت سے علیحدہ ہوتے تو فوری طور پر اپنے نقطۂ نظر کے مطابق اجتماعی جدوجہد میں مصروف ہو جاتے ——

۵۷ — ۱۹۵۶ء میں جماعت اسلامی میں جو اختلاف پیدا ہوا، وہ ابتداءً صحیح جمہوری اور شورائی طرز پر جماعت میں ابھرا اور اگر اسے صحیح خطوط پر آگے بڑھنے کی اجازت دی جاتی تو شاید جماعت انتشار سے بھی بچ جاتی اور مختلف نقطہ ہائے نظر کے لوگوں کی متفقہ جدوجہد سے مجموعی طور پر جماعت میں زیادہ پختگی اور ہمہ گیریت بھی پیدا ہوتی لیکن اس پر فوراً ہی ایک غیر جمہوری ردِ عمل حملہ آور ہوا نتیجۃً پہلے "اشتعال" پھر "انتشار" رونما ہو کر رہے۔

یہاں نہ "اختلاف" کو اتنا وقت ملا کہ کوئی واضح صورت اختیار کرتا اور اہل اختلاف کے باہمی ربط اور گفت و شنید سے اس کے مختلف پہلو متعین ہوتے اور نہ جماعت سے علیحدگی ایک گروپ کی صورت میں ہوئی۔ ایک سخت ہیجان انگیز فضا میں ہر فرد کو محض اپنی صوابدید اور ذاتی رائے کے مطابق اہم فیصلے کرنے پڑے اور نکلنے والے ایک ایک کر کے مختلف اوقات میں علیحدہ ہوتے چلے گئے۔ لہٰذا اس کا کوئی امکان نہ تھا کہ اختلاف کرنے والے لوگ فوری طور پر جمع ہو سکتے چنانچہ جو "اختلاف" جماعت کے اندر "انتشار" کا سبب بنا تھا وہ باہر آ کر بھی کسی مثبت اجتماعی جدوجہد کی صورت اختیار نہ کر سکا۔

اب اس کو "اعتراف تقصیر" قرار دیا جائے یا "اظہارِ معذرت" بہرحال واقعہ یہ ہے کہ جماعت سے نکلنے والوں کے کسی اجتماعی نظم میں منسلک ہو کر اُسی طرز پر دعوتِ دین کے کام کو جاری نہ رکھ سکنے کا جس پر جماعت اپنے دورِ اول میں کاربند رہی تھی اصل سبب یہی ہے۔

آخر میں ہم جماعت سے "علیحدہ ہونے والے حضرات" کی خدمت میں بھی یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ بالا الزام پر مشتعل ہونے کے بجائے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں، اور واقعی جائزہ لیں کہ یہ الزام کس حد تک حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ گذارش ہم اس لئے بھی کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ معاصر "کوہستان" کے تبصرے کے بعد چند مخلص رفقاء کی جانب سے ہمیں یہ مشورہ ملا تھا کہ اس کا "جواب" دیا جائے۔ ہمارے پاس اس کا جو "جواب" تھا۔ وہ ہم نے حاضر کر دیا ہے — یہ دوسرے رفقاء کے احساسات کی ترجمانی ہو یا نہ ہو۔ ہماری دیانت دارانہ رائے یہی ہے — کہ اسباب خواہ کچھ بھی ہوں۔ بہرحال اس معاملے میں ہم سب سے مجموعی طور پر کوتاہی ہوئی ہے اور اس "الزام" کا اصل "جواب" ہماری جانب سے یہی ہونا چاہیئے کہ جماعت اسلامی کے طریقِ کار میں جن غلطیوں کی نشان دہی کر کے ہم جماعت سے علیحدہ ہوئے تھے۔ ان سے پہلو بچا کر اس مقصد کے لئے اجتماعی جدوجہد شروع کی جائے جس کے لئے جماعت اسلامی قائم ہوئی تھی ————
اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

"... پھر اگر ہم نے اس جدوجہد میں بازی پالی تو فہو المراد اور اگر دوسری بات ہوئی تب بھی تمام راستوں میں ایک حق ہی کا راستہ ایسا ہے جس میں ناکامیابی کا کوئی سوال نہیں اس میں اول قدم بھی منزل ہے اور آخر بھی، ناکامی کا اس کوچہ میں گزر ہی نہیں ہے۔ اس کو مان لینے اور اس پر چلنے کا عزم راسخ کر لینے کی ضرورت ہے۔ پھر اگر تیز سواری مل گئی تو فبہا۔ یہ نہ سہی تو چھکڑے ملیں گے انہیں سے سفر ہو گا۔ یہ بھی نہیں تو دو پاؤں موجود ہیں ان سے چلیں گے پاؤں بھی نہ رہیں تو آنکھیں تو ہیں۔ ان سے نشان منزل دیکھیں گے آنکھیں بھی اگر بے نور ہو جائیں تو دل کی آنکھ تو ہے جس کی بصارت کو کوئی سلب نہیں کر سکتا بشرطیکہ ایمان موجود ہو......"

[مولانا امین احسن اصلاحی "دعوت اسلامی اور اسکے مطالبات"]

آپ کے خطوط سے

★

''.....اسی اثنا میں ''تحریک جماعت اسلامی'' کا مطالعہ کیا - تقریباً وہ سب باتیں آپ نے تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو جائزہ کمیٹی میں ہم لوگوں نے نوٹ کرائی تھیں - ایسا محسوس ہوتا ہے کہ باتیں ہماری ہیں قلم آپ کا ہے اور آپ نے ہم سب کی بھرپور نمائندگی کی ہے.....یہ کتاب محض آپ کی نہیں ہے اور اس میں صرف آپ کے دل کی دھڑکنیں نہیں بلکہ ان سینکڑوں افراد کا درد دل بول رہا ہے جو کراچی سے پشاور تک پھیلے ہوئے ہیں.....

.....ماچھی گوٹھ کے بعد جماعت نے جس تیزی کے ساتھ اپنے مقصد سے انحراف کیا ہے - آگے ہوئے نوالوں کو جس طرح چبایا ہے اور تقیہ سے لیکر ہیر پھیر کے جتنے بھی پینترے اس نے بدلے ہیں ان کا تجزیہ ضروری تھا جس کی کمی کتاب میں محسوس ہوتی ہے.....''

نجیب صدیقی ، شاہی بازار ، سکھر

★

''..... آپ کی کتاب...صاحب سے لیکر دیکھی ، جماعت اسلامی کے پرانے اور نئے موقف کا تضاد آپ نے خوب واضح کر دیا ہے - افراد کے کردار میں گراوٹ کے جو اسباب آپ نے بیان کئے ہیں وہ صحیح ہیں ، اگر جماعت پرانے موقف پر چلتی رہتی تو زوال پذیر نہ ہوتی یا کم از کم اس قدر جلد نہ ہوتی.....بہر حال آپ کا تجزیہ بنیادی طور پر صحیح ہے اور دس سال قبل کی تحریر ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ ستائش کی مستحق ہے...''

ظفرالاحسن ، ناظم آباد - کراچی

★

''.....مدیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے ایک گذارش یہ ہے کہ جناب مصطفیٰ صادق صاحب کی تحریر کے مطابق جماعت اسلامی کے پچھلے دس سالہ ریکارڈ پر ایک مفصل کتاب کی ضرورت ہے - اس دوران میں اس تحریک نے اتنی قلابازیاں کھائی ہیں کہ پچھلی تاریخ اس کے سامنے گرد ہو گئی ہے - مہربانی فرما کر یہ کتاب لکھنی شروع کر دیں - اس کی کتنی شدید ضرورت ہے اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں - البتہ یہ ضرور عرض کرونگا کہ ان تمام حقائق و واقعات کو آپ ہی جیسے حضرات بیان کرنے کا حق رکھتے ہیں - اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو.....''

ابو منظور شیخ احمد ، ڈیگلور ، ضلع ناندیڑ ، دکن
(بھارت)

Regd. No. L. 7360.

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 12 AUGUST 1966 No. 2

جماعتِ اسلامی

- کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟
- آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟
- قیامِ پاکستان کے بعد اس نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ اور
- اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریکِ جماعتِ اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد۔ ایم اے۔ ایم بی بی ایس

سابق ناظمِ اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیرِ جماعت اسلامی منٹگمری

● ضخامت ۔ ۲۳۶ صفحات ● سائز بڑا ● طباعت آفسٹ ● مجلد مع گرد پوش

● قیمت ۔ ۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

دار الاشاعت الاسلامیہ

بالمقابل ڈاکخانہ، کرشن نگر، لاہور